تحفۂ رمضان

کتاب	:	تحفۂ رمضان
مؤلفین	:	حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہ صوفی جمیل الرحمٰن عباسی
سنِ اشاعت	:	رجب ۱۴۴۴ھ بہ مطابق فروری ۲۰۲۳ء
تعدادِ اشاعت	:	۱۱۰۰
بارِ اشاعت	:	دوم
ناشر	:	شعبہ تحقیق تصنیف، فقہ اکیڈمی
ای میل	:	info@fiqhacademy.com.pk

فقہ اکیڈمی
C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی۔ 0330-3474223
www.FiqhAcademy.com.pk 021-34613474

حصۂ اول

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

فضائلِ شعبان

رمضان کا آخری عشرہ کیسے گزاریں؟

رمضان اور دعا

آدابِ ختمِ قرآن

صفحہ ۹ تا ۴۹

حصۂ دوم

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہ

رمضان المبارک:

برکات و فضائل، احکام و مسائل

صفحہ: ۵۰ تا ۱۷

فہرست

پیش لفظ ۷

۱. فضائلِ شعبان ۹

شعبان کے اعمال ۱۱

حرفِ استثنا کا مفہوم ۱۳

ہمارے لیے کرنے کا کام ۱۴

نصفِ شعبان کے بعد روزے رکھنے کا حکم ۱۴

شبِ براءت کی فضیلت ۱۵

نصفِ شعبان کی رات اور قضاوقدر ۱۶

شبِ براءت کی عبادت اور اجتماعات ۱۷

شبِ براءت کی مخصوص عبادات اور چراغاں کا حکم ۱۹

پندرہ شعبان کا روزہ ۲۰

۲. رمضان کا آخری عشرہ کیسے گزاریں؟ ۲۳

اعتکاف ۲۴

اعتکاف کا اجر و ثواب ۲۶

لیلۃ القدر کا حصول ۲۷

لیلۃ القدر کی عبادت ۳۲

رمضان کی آخری رات کو زندہ رکھنا ۳۴

عید کی رات کو زندہ رکھنا ۳۵

۳. رمضان اور دعا ۳۷

سحری کی دعا ۳۸

حالتِ روزہ میں دعا ۴۰

افطار کے وقت کی دعا ۴۱

اِفطار کی دعائیں ۴۱

تنبیہ ۴۲

۴. آدابِ ختمِ قرآن ۴۴

نماز میں تکمیلِ قرآن ۴۴

تکمیل قرآن دن یارات کے ابتدائی حصوں میں ۴۵

روزے کا اہتمام ۴۶

ختمِ قرآن پر دعا کا اہتمام ۴۷

ارتحال ۴۹

درود شریف کا اہتمام..۵۰

دعا کا مضمون ۵۰

۵. رمضان المبارک: برکات وفضائل، احکام ومسائل ۵۱

تعریف.. ۵۱

فرضیت ۵۱

فضائل ۵۱

روزے کی اقسام ۵۳

روزے کے وجوب وصحت کی شرائط فرائض وسنن، مفسِدات ومکروہات.. ۵۴

نیت کے مسائل ۵۸

وہ عذر جن میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے ۵۹
وہ عذر جن کی وجہ سے روزہ توڑنا جائز ہے ۶۲
سحری واِفطار ۶۲
روزوں کی قضا ۶۳
کفارے کے مسائل ۶۴
فدیے کے مسائل ۶۵
نمازِ تراویح ۶۵
اعتکاف کا بیان ۶۷
لیلۃ القدر ۷۰
دعاے خاص ۷۱
عید الفطر ۷۱
فطرے کے مسائل ۷۲
قرآن کی فریاد ۷۳

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں اور برکتوں کا مظہرِ اتم بنایا ہے اور اپنے گناہ گار بندوں پر لطف وکرم اور فیوض وبرکات کی بارانِ رحمت برسانے کا ذریعہ و وسیلہ قرار دیا ہے۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ اس عظیم ماہِ مبارک کو بقیہ گیارہ مہینوں کے ساتھ وہی نسبت ہے جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے گیارہ بھائیوں کے ساتھ تھی۔ایک یوسف علیہ السلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے باقی بھائیوں کی غلطی اور جرم کو معاف فرمادیا۔اسی طرح رمضان المبارک کا شہرِ عظیم سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں کیے گئے جرائم و معاصی کی مغفرت کا سبب بن جاتا ہے۔نستغفرک اللھم ونتوب إلیک!﴿ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم﴾

اس عظیم ماہِ رحمت کی مناسبت سے ''تحفۂ رمضان'' نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔یہ کتابچہ ہمارے شعبۂ تحقیق و تصنیف کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔پہلے حصے میں صوفی جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کے چار مضامین شامل کیے گئے ہیں۔آپ بہ توفیقِ الٰہی اس موضوع پر کئی مضامین تصنیف فرماچکے ہیں،جن میں سے چار مضامین کا انتخاب قارئین کے سامنے ہے۔فضائلِ شعبان میں رمضان المبارک کی کماحقہ تیاری اور شعبان المعظم کے فضائل سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔''آخری عشرہ کیسے گزاریں؟'' کے عنوان کے تحت سال کے اہم ترین ایام سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کا طریقہ واضح کیا گیا ہے۔''رمضان اور دُعا''میں دُعا کی فضیلت اور بالخصوص رمضان المبارک میں قبولیتِ دُعا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اور ''آدابِ ختمِ قرآن'' میں رمضان المبارک میں مطلوب عبادات میں اہم ترین عبادت تلاوتِ قرآن مجید کی تکمیل کے آداب؛ سلف کے تعامل کی

روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہر مضمون کو انتہائی دلنشین پیرائے میں قرآن، احادیث مبارکہ اور اقوالِ سلف سے خوب مرصع اور منقح کیا گیا ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ اس کتابچے کے دوسرے حصے میں ہندوستان کے عظیم عالم دین اور سلسلۂ نقشبندیہ کے نامور بزرگ حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب دامت فیوضہم کی تحریر ''رمضان المبارک: برکات و فضائل، احکام و مسائل'' شامل کی گئی ہے، حضرت نے اپنے عام فہم اور پُر تاثیر انداز میں رمضان المبارک کے فضائل، روزے کی اقسام و تعریف، تراویح، فطرانے، اعتکاف اور دیگر متعلقہ مسائل کو انتہائی جامعیت کے ساتھ قلم بند فرمایا ہے، اس تحریر سے بلاشبہہ کتابچے کی برکت اور منفعت میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ باری تعالیٰ اس کتابچے کی اشاعت کو مؤلفین، مرتبین اور تمام قارئین کے حق میں مفید بنائیں، اور تمام مسلمانوں کو اس ماہِ مبارک کی تمام فضیلتوں، رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللھم بلغنا رمضان، بمنک وفضلک یامنان!

سید اسامہ علی

نائب مدیر و ناظمِ تعلیم فقہ اکیڈمی

۱۴ رجب ۱۴۴۲ھ

۲۷ فروری ۲۰۲۱ء

فضائلِ شعبان

سیدنا انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ رجب کا مہینا داخل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: «اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ» ”اے اللہ ہمارے لیے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا دے“۔ (مسندِ احمد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے اشارہ ملتا ہے کہ آغازِ رجب ہی سے ماہِ رمضان کے لیے ذہنی و قلبی طور پر تیار ہو جانا چاہیے نیز اس میں ان تین مہینوں کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے۔ امام عبد الرحمن البنا الساعاتی رحمۃ اللہ علیہ بلوغ الأماني میں لکھتے ہیں: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان تین مہینوں کے لیے برکت کی دعا کرنا ان کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا عطف، رجب اور شعبان پر نہیں کیا بلکہ اس کے لیے الگ سے لفظ استعمال فرمایا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان کی فضیلت بقیہ دونوں مہینوں یعنی رجب اور شعبان کے مقابلے میں زیادہ ہے“۔ امام ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”رجب اور شعبان میں برکت سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں ہماری اطاعت اور عبادت میں برکت (یعنی کثرت) عطا کر اور رمضان میں پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ (ہماری زندگی اتنی کر دے کہ) ہم پورے ماہ رمضان کو پا سکیں اور ہمیں اس کے صیام و قیام کی توفیق عطا فرما“۔ (مرقاۃ) بعض حضرات اس حدیث کی سند کے ضعف کی بنا پر اس دعا کو پڑھنا درست نہیں سمجھتے۔ امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو مجمع الزوائد میں نقل کیا اور لکھا: ”اسے امام بزّار اور طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کیا ہے اس سند میں زائدہ بن ابی الرقاد ہیں جن کے بارے کلام کیا گیا جبکہ بعض نے انھیں ثقہ بھی قرار دیا ہے“۔ دوسری بات یہ کہ اس حدیث کو بہت سارے محدثین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اس کی بعض اسناد مزید بھی موجود ہیں جن کی بنیاد پر اس حدیث کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ امام عبد الرحمن البنا رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیبِ مسندِ احمد میں لکھا ہے: ”اس کی دیگر اسناد بھی ہیں جو ایک دوسرے کو سہارا دیتی ہیں“۔ تیسری بات یہ کہ اگر اس حدیث کو ضعیف مان بھی لیں تو بطور دعا استعمال میں کوئی حرج نہیں، بلکہ فضائلِ اعمال میں ضعیف

روایت بھی محدثین کے نزدیک قابل عمل ہے جیسا کہ علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے بعد لکھا ہے کہ: "فضائلِ اعمال کے باب میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے"۔

ماہِ شعبان کی فضیلت صحیح طور پر تسلیم شدہ حقیقت ہے اور کئی احادیث سے ثابت ہے۔ اس سلسلے کی ایک حدیث امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع الصغیر میں شعب الایمان کے حوالے سے نقل کی اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ نیز علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سلسلة الأحاديث الصحيحة میں اسے نقل کیا ہے:

"رجب اور رمضان کے درمیان ایک مہینا شعبان کا ہے، لوگ اس سے بے خبر رہتے ہیں، اس میں لوگوں کے اعمال اللہ کی جناب میں بلند ہوتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرا نامۂ اعمال بلند کیا جائے تو میں روزے سے ہوں"۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبان کے رجب و رمضان کے درمیان ہونے کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دی کہ عرب نسیئ کے من گھڑت قاعدے کے تحت مہینوں کو آگے پیچھے کرتے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انداز بیان سے اس قاعدے کی غلط فہمیوں کا ازالہ مقصود تھا۔ (التنویر شرح جامع الصغیر)

رفعِ اعمال کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں۔ اعمال کی ایک پیشی روزانہ کی بنیاد پر، صبح و شام ہوتی ہے (بحوالہ حدیث مسلم) اور ہفتہ وار پیشی، ہر پیر اور جمعرات کو ہوتی ہے۔ (بحوالہ حدیث ترمذی) اور ایک پیشی سالانہ ہوتی ہے، جس کا ذکر حدیثِ شعبان میں آیا ہے۔ جہاں تک مختلف پیشیوں کی حکمت کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ ان پیشیوں سے مقصود یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالی کو لوگوں کے اعمال کی خبر ہو جائے کیونکہ اس پر تو کوئی چیز مخفی ہی نہیں ہے، مختلف اوقات کی پیشیوں سے مطلوب نیکوکار کی عزت و کرامت اور بدکار کی مذمت ہے۔ مطلب یہ کہ جب نیک لوگوں کے اعمالِ صالحہ، اللہ کے سامنے مختلف مواقع پر بار بار پیش کیے جاتے ہیں تو ہر دفعہ اللہ کی رحمت و محبت، ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جب بدکاروں کے اعمال مختلف اوقات میں اللہ تعالی کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو ہر بار، اللہ کی ناراضی اور غضب ان کی

طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ امکان بھی ہے کہ ان پیشیوں میں مجمل و مفصل کا فرق ہوتا ہو یعنی روزانہ کی پیشی تفصیلی ہوتی ہو اور بعد کی دونوں پیشیاں اس پہلی پیشی کے مقابلے میں مجمل ہوتی ہوں۔ (مرعاۃ) یہ جو فرمایا کہ شعبان میں اعمال بلند ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ نصفِ شعبان کی رات میں اعمال بلند ہوتے ہیں۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر) حدیث میں ہے ”لوگ اس سے غافل ہوتے ہیں“ غفلت سے مراد ظاہر ہے کہ عبادت سے غفلت ہے لیکن شارحین حدیث نے بالخصوص روزے سے غفلت کو بیان کیا ہے: ”یعنی اس کے روزے رکھنے سے غفلت کرتے ہیں“۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر) دوسری حدیث امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ’الجامع الصغیر‘ میں بحوالہ مسند الفردوس نقل کی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شعبان میرا مہینا ہے اور رمضان اللہ کا مہینا ہے“۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں: ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کو اپنی طرف اس لیے نسبت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نفل روزے بکثرت رکھا کرتے تھے اور رمضان کی اضافت اللہ کی طرف اس لیے کی ہے کہ اس کے روزے اللہ کی طرف سے فرض کیے گئے ہیں“۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا لیکن درج بالا توجیہ کے مطابق مضمون میں کوئی قباحت نہیں ہے اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس طرح کے معاملات میں ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنا جمہور محدثین اور فقہاے کرام کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ اوپر علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان ہوا۔

شعبان کے اعمال

عمومی عبادات کے ساتھ، شعبان کی خاص عبادت، روزے رکھنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ شعبان میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے۔ کسی مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنا بذاتِ خود اس مہینے کی فضیلت کا بھی ثبوت ہے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں سوال کیا: ”یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ کسی مہینے میں اتنے روزے نہیں رکھتے جتنے کہ شعبان میں رکھتے ہیں“۔ فرمایا: ”رجب اور رمضان کے درمیان یہ ایک ایسا مہینا ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہوتے ہیں اور یہ ایسا مہینا ہے جس میں اعمال رب العالمین کی طرف بلند ہوتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل بلند ہو اور میں روزے سے ہوں“۔

(نسائی) پہلے یہ عرض کیا گیا کہ اللہ تعالی کے حضور یہ پیشی اعمال خبر و اخبار کے لیے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے ان اعمال کی جانچ کرنے کے لیے ہے پس انسان کے مناسب حال یہ ہے کہ جب اس کے اعمال پیش ہو رہے ہوں کم از کم اس وقت تو وہ اللہ کی نافرمانی میں نہ ہو کہ اس سے اللہ کا غضب بڑھے گا، بلکہ چاہیے کہ اس وقت اللہ تعالی کی اطاعت و عبادت میں مصروف ہو، اگرچہ وہ اس سے پہلے والی زندگی میں نیکی پر عامل رہا ہو پھر بھی اس مخصوص وقت میں عبادت بجالانے سے اللہ کی رحمت اس کی طرف اور شدت سے متوجہ ہوگی۔ اور اگر خدانخواستہ انسان نے برے اعمال کر کے بھیجے ہوں تو تب بھی اللہ کی مغفرت کے اس کی طرف متوجہ ہونے کا امکان ہے۔ قرآن پاک میں بھی اور احادیثِ مبارکہ میں بھی صبح و شام کے اوقات میں مصروفِ عبادت و ذکر و تسبیح اور تلاوت قرآن کرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ان اوقات میں انسان کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے پس انسان مصروف عبادت رہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت اس کی جانب متوجہ ہو۔ اسی طرح، بروز پیر اور جمعرات انسان کے اعمال اللہ کی جناب میں پیش کیے جاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ ان دنوں کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ گویا آپ پیشیٔ اعمال کے وقت خود کو عبادت میں مصروف رکھا کرتے تھے۔ پس چاہیے کہ پیشیٔ اعمال کے اوقات میں مصروفِ عبادت رہا جائے چاہے صبح و شام والی پیشی ہو یا ہفت روزہ و سالانہ پیشی ہو۔

سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: "نبی کریم ﷺ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں (نفلی) روزے نہیں رکھا کرتے تھے آپ تو پورے شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے"۔ (بخاری) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ایک حدیث ہے، فرماتی ہیں: "نبی کریم ﷺ سال کے مہینوں میں سے کسی مہینے میں شعبان سے بڑھ کر (نفلی) روزے نہیں رکھا کرتے تھے"۔ (مسلم) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کے ظاہری الفاظ: فَإِنَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پورے ماہِ شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے لیکن اس سے مراد کثرتِ صوم یعنی شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھنا ہے۔ اس بات کی وضاحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُس روایت سے ہوتی ہے جو امام ترمذی نے نقل کی ہے: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان کے

علاوہ کسی مہینے میں اتنے روزے رکھتے نہ دیکھا، آپ شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے سوائے تھوڑے دنوں کے، بلکہ تقریبًا پورے ہی مہینے کے روزے رکھا کرتے تھے"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد عبد اللہ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں: "اگر کوئی کسی مہینے کے اکثر دنوں کا روزہ رکھے تو کلامِ عرب کی رو سے یہ کہنا جائز ہے کہ وہ پورے مہینے کے روزے رکھ رہا ہے"۔ ایک روایت کے مطابق سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میں نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے پورے پورے روزے رکھتے نہیں دیکھا اور میں نے آپ کو شعبان سے زیادہ روزے رکھتے کسی مہینے میں آپ کو نہیں پایا"۔ (متفق علیہ)

حرفِ استثنا کا مفہوم

ان احادیث میں حرف استثنا إلّا وارد ہوا ہے: كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ إلاَّ قَلِيلاً، كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ، یہ روایت استثنا اور مستثنیٰ منہ کے اعتبار سے مشکل حدیث ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے إلاَّ قَلِيلا کا مطلب ہے شعبان کے تھوڑے دنوں کو چھوڑ کر باقی پورے شعبان، یعنی اکثر دنوں کا روزہ رکھا کرتے تھے، اس صورت میں كُلَّهُ مجازًا أَكْثَرَهُ کے معنی میں لیا جائے گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ كُلَّهُ سے مراد پورا شعبان ہی ہے، اور إلاَّ قَلِيلا کا مطلب یہ ہے کہ پورے شعبان کے روزے رکھنا مستقل معمول شریف نہ تھا، بلکہ کسی کسی سال پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور کسی سال پورے شعبان کے بجائے اس کے اکثر دنوں کا روزہ رکھتے تھے۔ علامہ بدر الدین عینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں اسے بہترین رائے قرار دیا ہے۔ علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ یہ آپ کے اول الامر و آخر الامر کا بیان ہے، ابتدا میں آپ پورے شعبان کے روزے نہیں رکھتے تھے لیکن آخری سالوں میں آپ کا معمول یہ بن گیا تھا کہ پورے شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ پورے شعبان کے روزے رکھنا اول امر تھا اور آخر امر بجائے پورے کے؛ اکثر شعبان کے روزے رکھنے کا تھا۔

ہمارے لیے کرنے کا کام

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ روزے کسی مہینے میں نہیں رکھا کرتے تھے آپ گویا پورے مہینے کے روزے رکھا کرتے اور آپ فرماتے: عمل میں سے وہ اختیار کرو جس کی طاقت رکھتے ہو، پس اللہ نہیں تھکتا یہاں تک کہ تم تھک جاؤ“۔ (متفق علیہ) گویا اس میں اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو زیادہ ہی روزے رکھا کرتے تھے اور تمھیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں شعبان کے روزے رکھنے چاہییں، البتہ تم اپنی طاقت و ہمت کے مطابق روزے رکھ لیا کرو“۔ شعبان کے روزوں کے متعلق ایک روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان بھر کے روزے رکھا کرتے اور آپ پیر اور جمعرات کے روزے کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے“۔ (ابنِ ماجہ) اس حدیث میں گویا اشارہ ہے ان لوگوں کے لیے جو زیادہ روزے نہیں رکھ سکتے کہ وہ شعبان کے مہینے میں کم از کم پیر اور جمعرات کو روزہ رکھ لیا کریں۔

نصفِ شعبان کے بعد روزے رکھنے کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نصفِ شعبان کے بعد لوگوں کو روزے رکھنے سے منع فرمایا کرتے تھے، البتہ آپ خود روزے رکھا کرتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات تو شعبان کے روزے کو رمضان سے ملا دیتے یعنی شعبان اور رمضان کے روزوں میں وقفہ نہ کرتے تھے، ارشادِ نبوی ہے: ”جب آدھا شعبان گزر جائے تو روزے نہ رکھو“۔ (ابوداؤد) ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ”اس حدیث میں نہی تنزیہی ہے اور وہ بھی امت پر شفقت و سہولت کی غرض سے ہے کہ کہیں وہ رمضان کے روزے رکھنے سے رہ نہ جائے یا اس کے ذوق و شوق میں کمی نہ آجائے، اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو یعنی (کسی کو طاقت ہو) اور وہ پورے مہینے کے روزے بھی رکھ لے تو اس کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ خود کو روزے کا عادی بنا لے گا اور روزے کی سختی اس سے جاتی رہے گی“۔ دوسرے علما نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ نصفِ شعبان کے بعد نفلی روزہ رکھنا جائز ہے حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”جمہور علما کا فرمانا ہے کہ نصفِ شعبان کے بعد نفلی روزہ رکھنا جائز

ہے"۔(فتح الباری)علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نصفِ شعبان کے بعد کے روزوں کا جواز تحریر کرتے ہوئے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا:"اے لوگو!ہم نے فلاں فلاں دن ہلالِ (شعبان) دیکھ لیا ہے اور میں رمضان سے پہلے ہی روزے رکھنا شروع کر رہا ہوں اور جو بھی یہ کرنا پسند کرے تو اس عمل کو اختیار کرے"،ایک صاحب نے آپ سے سوال کیا:"اے معاویہ! اس بابت کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا، یا یہ آپ کی اپنی کوئی رائے ہے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:"مہینے (شعبان) کے روزے رکھو اور اس کے آخری حصے کے بھی روزے رکھو"۔ (سنن ابي داود)ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے کوئی روزہ نہ رکھے سوائے یہ کہ کوئی بندہ ایسا روزہ رکھ لے جسے رکھنے کا وہ عادی تھا"۔(متفق علیہ)علما نے اس ممانعت کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں: ایک تو یہ کہ دیکھنے والوں کو آغازِ رمضان کا شبہہ نہ لاحق ہو جائے، یہ بھی کہ نفل اور فرض باہم گڈمڈ نہ ہو جائیں، لیکن جیسا کہ خود حدیث کے الفاظ میں وضاحت موجود ہے کہ جو آدمی اپنے معمول میں روزے رکھنے کا عادی ہو مثلاً پیر و جمعرات وغیرہ کا روزہ ان دنوں میں آ رہا ہو یا نذر و قضا کا روزہ ہو تو وہ ان دنوں میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔

شبِ براءت کی فضیلت

ماہِ شعبان کا ایک اہم موقع نصفِ شعبان کی رات ہے یعنی پندرھویں رات، اسے شبِ براءت بھی کہا جاتا ہے۔اس رات کی فضیلت متعدّد احادیث سے ثابت ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے 'الرسالہ' میں اس کی فضیلت نقل کی ہے۔درج ذیل صحیح روایت سے نصف شعبان کی رات اللہ تعالی کی مغفرت کا ظہور ہونا معلوم ہوتا ہے: "بے شک اللہ تعالی نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف نزول فرماتا ہے پھر تمام مخلوقات کو معاف فرما دیتا ہے سوائے مشرک اور باہمی بغض رکھنے والوں کے"۔اس روایت کو شعیب الارنووط نے تخریج مسندِ احمد میں صحیح قرار دیا ہے۔اسی طرح علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلة الأحاديث الصحيحة میں اسے حسن قرار دیا ہے، شبِ براءت کی فضیلت کی احادیث اس کے علاوہ بھی موجود ہیں۔ان میں سے بعض ضعیف ہیں، بعض حسن

اور بعض صحیح، جبکہ اس ضمن میں چند موضوع احادیث بھی پائی جاتی ہیں۔ برصغیر کے مشہور محدث مولانا عبد الرحمن مبارکپوری تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي میں ان احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جان لو کہ نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔ یہ مجموعی طور پر شبِ براءت کی فضیلت کے اصل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ انھی میں سے ایک یہ (مذکورہ) حدیث بھی ہے، پس یہ احادیث اس آدمی پر حجت ہیں جو یہ سمجھتا ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں نہیں پایا تو آپ کی تلاش میں باہر نکل گئی تو دیکھا کہ وہ بقیع میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو یہ اندیشہ کرتی ہے اللہ اور اس کا رسول تیری حق تلفی کریں گے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں نے سوچا شاید آپ اپنی کسی زوجہ کے ہاں چلے گئے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالی نصف شعبان کی رات میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں پھر وہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کے عدد سے زیادہ تعداد میں لوگوں کی بخشش فرماتے ہیں''۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے (مرسَل وہ روایت ہے جس کی سند کے آخر میں صحابی رضی اللہ عنہ کا حوالہ ساقط ہو) لیکن اس کے راوی قابل اعتماد ہیں، اور علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت اس طرح کی مرسل حدیث کو حجت مانتی ہے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امام بیہقی نے ایک دوسری متّصل روایت بھی نقل کی ہے جو اسی مضمون کی ہے۔ اس مضمون کی احادیث متعدّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان مختلف طرق کی بنا پر، شبِ براءت میں اللہ تعالی کا نزول اور کثیر تعداد میں لوگوں کی مغفرت کرنا ثابت ہوتا ہے جیسا علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدّد روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث اپنے تمام طرق و اسناد کے ساتھ صحیح ثابت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں''۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة، حدیث نمبر: ۱۱۴۰)

نصفِ شعبان کی رات اور قضا و قدر

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ قضا و قدر کے فیصلے کس رات میں ہوتے ہیں وہ رمضان میں پائی

جانے والی رات لیلۃ القدر ہے یا پندرہ شعبان کی رات ہے۔ جمہور کے نزدیک وہ رات رمضان میں پائی جانے والی رات لیلۃ القدر ہے۔ سورۂ دخان کے شروع میں ایک رات اور اس میں ہونے والے فیصلوں کا ذکر ملتا ہے، معروف تابعی حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ رات پندرہ شعبان کی رات ہے۔ اس رائے کی بنیاد شعب الایمان کی ایک حدیث ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ماہِ شعبان میں ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کے معاملات (پیدائش، نکاح، اموات وغیرہ) طے ہوتے ہیں لیکن یہ حدیث مرسل ہے۔ علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس روایت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے: ”مرسل روایت کو دوسری نصوص جن میں لیلۃ القدر میں فیصلے ہونے کا ذکر ہے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی“۔ لیکن اگر اس مرسل روایت کے مطابق اس مسئلے کی کوئی ایسی توجیہ کی جائے جس میں لیلۃ القدر اور شبِ براءت کے درمیان تطبیق قائم ہو جائے تو معارضۂ نصوص والا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا، اس توجیہ کا ذکر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حواشی میں کیا ہے: ”یعنی سال بھر کے متعلق قضاو قدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات (لیلۃ القدر) میں ”لوح محفوظ“ سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالے کیے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے جسے شبِ براءت کہتے ہیں۔ ممکن ہے وہاں سے اس کام کی ابتدا اور شبِ قدر پر انتہا ہوئی ہو۔ واللہ اعلم! اخلاق حسین قاسمی دہلوی نے مستند موضح القرآن میں اس تطبیق کا ذکر اس طرح کیا ہے: ”بعض حضرات نے برکت والی رات سے شبِ براءت مراد لی ہے جمہور کی رائے لیلۃ القدر کے بارے میں ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام امور لکھے تو لیلۃ القدر میں جاتے ہوں لیکن (فرشتوں کو) دیے شبِ براءت میں جاتے ہوں، اس طرح دونوں اقوال میں تطبیق ممکن ہے“۔

شبِ براءت کی عبادت اور اجتماعات

شبِ براءت کی فضیلت میں چند احادیث ہم پڑھ چکے، ان میں امرِ مشترک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں کثیر تعداد کی مغفرت فرماتا ہے۔ کسی فضیلت والے وقت کی فضیلت سے حصہ پانے کا درست

طریقہ اللہ کی عبادت ہی ہے، جیسا کہ درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: ایک رات رسول اللہ ﷺ عبادت کر رہے تھے اور آپ نے اتنے طویل سجدے کیے کہ مجھے گمان گزرا کہ آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔ یہاں تک کہ میں نے اٹھ کر آپ کے انگوٹھے کو ٹھوکا دیا تو آپ نے کچھ حرکت کی۔ میں سنا آپ سجدے میں یہ دعا پڑھ رہے تھے: "اے اللہ! میں تیری سزا کے مقابلے میں تیرے عفو و کرم کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور تیری ناراضی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں اور میں تجھ ہی سے تیری پناہ چاہتا ہوں کوئی تیری ثنا نہیں کر سکتا مگر اس جس طرح تو نے خود اپنی ثنا کی"۔ پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا: "کیا تم جانتی ہو آج کون سی رات ہے؟"۔ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آج نصفِ شعبان کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ نصفِ شعبان کی رات کو اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، پھر مغفرت طلب کرنے والوں کو معاف فرماتے ہیں اور رحم طلب کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں البتہ آپس میں رنجش رکھنے والوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں"۔ (شعب الایمان) اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نصفِ شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ چنانچہ فقہاے امت نے پندرہ شعبان کی رات میں عبادت کرنا مستحب قرار دیا ہے۔ دورِ حاضر کے فقہی انسائیکلوپیڈیا الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے: "جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ نصفِ شعبان کی رات کو عبادت سے زندہ رکھنا مستحب ہے"۔ ذیل میں ہم مختلف فقہا کے اقوال تحریر کرتے ہیں: فقہ حنبلی کی مشہور کتاب الإقناع کے مصنف شرف الدين الحجاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "نصفِ شعبان کی رات میں فضیلت کا سامان ہے اور سلف میں ایسے بزرگ بھی تھے جو اس رات کو نماز پڑھا کرتے تھے لیکن اس رات کو زندہ کرنے کے لیے مساجد میں اجتماعات کا انعقاد بدعت ہے"۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب نور الإیضاح میں ہے: "رمضان کی آخری دس راتوں، دونوں عیدین کی راتوں، اور ذو الحجہ کی پہلی دس راتوں، اور نصفِ شعبان کی رات کو زندہ رکھنا مستحب ہے، لیکن ان میں سے کسی بھی رات کے لیے مساجد یا دیگر مقامات پر اجتماع کرنا ناپسندیدہ ہے، کیونکہ نہ تو نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیا اور نہ ہی صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے، بلکہ اکثر علماے حجاز مثلاً عطا، ابنِ ابی ملیکہ وفقہاے اہلِ مدینہ اور اصحابِ مالک رحمۃ اللہ علیہم نے ایسے اجتماعات کی مشروعیت کا انکار کرتے ہوئے انھیں بدعت قرار دیا ہے"۔ اسی طرح علامہ ابنِ نجیم المصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مقدس راتوں کو زندہ رکھنے کے لیے مساجد میں اجتماع ناپسندیدہ ہے اور تراویح کے علاوہ نفل نمازیں بھی (ان اجتماعات میں) باجماعت نہ پڑھی جائیں"۔ (البحرالرائق) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "اس قیام کی فضیلت تنہا بلاکسی معین ومخصوص تعداد کے نوافل پڑھنے، تلاوت وسماعتِ قران، مطالعہ وسماعتِ حدیث، اللہ تعالی کی حمد وثنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ فضیلت رات کے اکثر یا کچھ حصے میں یہ اعمال کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے البتہ ان راتوں میں سے کسی رات کو زندہ کرنے کی خاطر مساجد میں اجتماع کرنا ناپسندیدہ ہے"۔ (رد المحتار ملخصا) امام ابنِ رجب الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اس رات میں نماز، دعا اور بیانات کی غرض سے مساجد میں اجتماع کرنا تو ناپسندیدہ ہے لیکن اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ اس رات میں انسان اکیلا اپنی ذات میں یہ سب کچھ کرے۔ پس بندۂ مومن کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے اوقات کو اس رات میں اللہ کے ذکر، اپنے گناہوں کی معافی و پردہ پوشی اور غم ورنج کی دوری کے لیے دعائیں مانگے اور سب سے پہلے اللہ کی جناب میں توبہ کرے کیونکہ اللہ بھی اس پر توجہ فرماتا ہے کہ جو اس کی جناب میں توبہ کرتا ہے۔ اور بندۂ مسلم پر یہ لازم ہے کہ وہ ان گناہوں سے بھی اجتناب کرے جو مغفرت اور رات بھی دعا کی قبولیت کے راستے کی رکاوٹ بنتے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے شرک، قتل اور زنا کرنے والے کی مغفرت اس رات میں نہ ہوگی"۔ (لطائف المعارف ملخصا)

شبِ براءت کی مخصوص عبادات اور چراغاں کا حکم

جاننا چاہیے کہ نصف شعبان کی مقدس رات کی کوئی مخصوص عبادات نہیں ہیں۔ عوام میں مختلف قسم کی نمازیں مشہور ہیں، مثلاً مغرب کے بعد فلاں فلاں سورتوں کے ساتھ اتنی رکعتیں پڑھی جائیں وغیرہ۔ علما

کے نزدیک اس قسم کی کوئی عبادت ثابت نہیں۔ امام ملاعلی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں لکھا ہے: ''جان لو کہ سیوطی نے اللآلیٔ المصنوعۃ میں لکھا ہے کہ نصفِ شعبان کی رات میں سو رکعت ادا کرنے اور ہر رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں دیلمی وغیرہ کی روایت موضوع ہے''۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان عبادات کی نفی کی ہے، فرماتے ہیں: ''نمازِ رغائب جو ماہِ رجب کے پہلے جمعے کی مغرب اور عشا کے درمیان بارہ رکعت مشہور ہے اور اسی طرح نصفِ شعبان کی رات میں سو رکعت نماز ادا کرنا دونوں نہایت مذموم اور قبیح بدعات ہیں اور ان کے بارے میں ذکر کی جانے والی احادیث جھوٹی اور باطل ہیں''۔(المجموع شرح المهذب) امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان عبادات کے بارے میں یہی موقف پیش کیا، لکھتے ہیں: ''کسی خاص تعداد اور مخصوص قراءت یا وقتِ معین کی کوئی نماز ادا کرنا جیسے نمازِ رغائب اور الفیہ جو رجب کے پہلے جمعے، سترہ رجب یا نصف شعبان کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں باتفاقِ ائمۂ اسلام غیر مشروع ہیں''۔(مجموع الفتاوى لابن تيمية الحراني، ملخصا) فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس رات میں چراغاں کرنے وغیرہ کو فضولیات میں شامل کیا ہے جن کا اس رات کی فضیلت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اس رات کو مساجد میں اجتماعی عبادات سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ''سال کی مشہور راتوں جیسے نصفِ شعبان وغیرہ کی بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ جو شہروں میں چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور اس کے بہت سارے مفاسد ہیں مثلاً اس میں مجوسیوں کی مشابہت ہے جو آگ کی پوجا کرتے ہیں اور مال کا ناحق ضیاع بھی ہے''۔(المجموع شرح المهذب)

پندرہ شعبان کا روزہ

ایک حدیث شریف میں پندرہ شعبان کے روزے کا ذکر ہے، اگرچہ یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اس لیے پندرہ شعبان کے روزے کی خصوصی فضیلت کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن شعبان کے مہینے میں کثرتِ صیام اور ایامِ بیض کی عمومی فضیلت کے پیشِ نظر پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا ایک امر حسن ہے، لہذا خاص

پندرہ شعبان کے روزے کی فضیلت کا اعتقاد نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر اور مستحب ہے۔حدیث شریف میں ہے: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جب نصفِ شعبان کی رات ہو تو رات کو عبادت کرو اور آئندہ دن روزہ رکھو اس لیے کہ اس میں غروبِ شمس سے فجر طلوع ہونے تک آسمانِ دنیا پر اللہ تعالیٰ نزول فرماتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ہے کوئی مغفرت کا طلب گار کہ میں اس کی مغفرت کروں ؟کوئی روزی کا طلب گار کہ میں اس کو روزی دوں ؟ ہے کوئی بیمار کہ میں اس کو بیماری سے عافیت دوں ؟ ہے کوئی ایسا؟ ہے کوئی ؟یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے"۔(ابنِ ماجہ)حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہ اپنے رسالے میں پندرھویں شعبان کے روزے کے استحباب پر علمائے کرام کی تصریحات اس طرح نقل فرماتے ہیں: علمائے حنفیہ: حکیم الامت مجددِ ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:"پندرھویں تاریخ شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے"۔(زوال السنہ)حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو پندرھویں شعبان کے مسنون اعمال میں شمار فرمایا یعنی اس کی صبح کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔علامہ قطب الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ شریف کی شرح مظاہرِ حق،بابِ صیامِ التطوع میں جلد: ۲،ص: ۳۶۴پر پندرھویں شعبان کا روزہ بھی شمار فرمایا ہے۔علمائے مالکیہ میں سے شیخ دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے پندرھویں شعبان کا روزہ مستحب قرار دیا ہے۔ (بلغة السالك لأقرب المسالك)علمائے حنابلہ: شیخ مردلوی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الانصاف"میں تحریر فرمایا کہ: "شیخ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "المستوعب"میں لکھا ہے کہ شعبان کے روزوں میں پندرھویں شعبان کا روزہ زیادہ مؤکدہ ہے"۔نیز ابنِ رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا:"پندرھویں شعبان کے روزے کا حکم خصوصیت سے آیا ہے"۔(ملخص از رسالہ: شبِ براءت کی حقیقت، از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہ)اسی طرح فتاویٰ ہندیہ اور مراقی الفلاح میں بھی پندرہ شعبان کے روزے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:"اور جن روزوں کی ترغیب دی گئی ہے وہ مختلف ہیں پہلا محرم کا روزہ، دوسرا رجب کا روزہ اور تیسرا شعبان کا روزہ"۔مراقی الفلاح میں ہے:"ہر وہ روزہ جو شریعت میں مطلوب ہو اور اس پر ثواب کا وعدہ ہو وہ بھی مستحب ہوتا ہے"۔

٭٭٭٭٭

رمضان کا آخری عشرہ کیسے گزاریں؟

نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کی بہت ساری فضیلتیں بیان کیں اور دوسری طرف آپ نے ان لوگوں کے خلاف بددعا فرمائی کہ جو رمضان میں اپنی مغفرت کا سامان نہ کرسکے۔ ان ترغیبات وترہیبات کے زیرِ اثر مسلمان ابتداے رمضان میں کچھ متحرک ہوتے ہیں اور رمضان کے ابتدائی دن اچھے گزرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ اس ذوق وشوق میں کمی آتی ہے اور انتہاے رمضان کو بعض دفع قیمتی بنانا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ انسان کو کچھ تھکاوٹ لاحق ہوجاتی ہے اور کچھ عید کی تیاری کی مصروفیات بھی انسان کو الجھا دیتی ہیں چنانچہ ضرورت ہے کہ خود اپنی اور دوسروں کی تذکیر کے لیے، کچھ امور سنت رسول ﷺ میں سے ذکر کیے جائیں۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ آخری عشرہ داخل ہوتے ہی اپنی عبادات کو بڑھا دیتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مَا لاَ يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ. "رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اتنی (زیادہ) محنت وریاضت کرتے تھے کہ جتنی اس کے علاوہ دوسرے دنوں میں نہیں کیا کرتے تھے"۔ (صحیح مسلم) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرے کی راتوں میں بالکل نہیں سوتے تھے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَا اللَّيْلَ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ. "جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی راتوں کو زندہ رکھتے، اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے، خوب محنت کرتے اور اپنا ازار مضبوطی سے باندھ لیتے"۔ (صحیح مسلم) امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "راتوں کو زندہ رکھنے سے مراد پوری رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا ہے اور نیند کیے بغیر پوری رات کے قیام کی جو کراہت ہمارے اصحاب (فقہا) سے منقول ہے وہ اس طرز کو معمول بنانے کی صورت میں ہے، ایک، دو یا دس راتوں کا مکمل قیام اس ذیل میں نہیں آتا۔ اسی لیے ہمارے فقہا نے عید کی راتوں کے مکمل قیام وعبادات کو

مستحب قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ آخری عشرے اپنی عادتِ مبارکہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے اور اہلِ خانہ کو بھی عبادت کے لیے جگاتے تھے۔ پس آپ کے اس طرزِ عمل سے آخری عشرے میں عادت سے زیادہ عبادت کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ازار مضبوطی سے باندھنے کے بارے میں علما کی دو آرا ہیں: پہلی یہ ہے اس سے مراد عبادت کے لیے کمرِ ہمت کس لینا ہے اور دوسری یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے بیویوں سے الگ رہنے کا یعنی آپ ﷺ آخری عشرے میں ازواجِ مطہرات سے الگ رہا کرتے تھے"۔ (المنہاج شرح مسلم) نبی اکرم ﷺ آخری عشرے میں عبادت کا اتنا شدت سے اہتمام فرماتے کہ سب گھر والوں کو رات جگایا کرتے تھے، زینب بنتِ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا بَقِيَ مِنَ الشَّهْرِ عَشَرَةُ أَيَّامٍ لَمْ يَذَرْ أَحَدًا مِنْ أَهْلِهِ يُطِيقُ الْقِيَامَ إِلَّا أَقَامَهُ. "جب رمضان کے دس دن رہ جاتے تب نبی اکرم ﷺ اپنے اہلِ خانہ میں سے عبادت کر سکنے والے کسی کو بھی سوتا نہ چھوڑتے بلکہ عبادت کے لیے اٹھا دیتے تھے۔ (مختصر قيام الليل وقيام رمضان لمحمد بن نصر المَرْوَزِي) سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، وَكُلَّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ يُطِيقُ الصَّلَاةَ. "رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے کی راتوں میں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کے قابل چھوٹے بڑے تمام لوگوں کا جگایا کرتے تھے"۔ (مسندِ ابی یعلیٰ)

اعتکاف

آخری عشرے کی فضیلت حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ اعتکاف بھی ہے۔ اعتکاف کی مشروعیت کے بعد، باوجود یہ کہ نبی کریم ﷺ کو جنگ و جدال کا اکثر سامنا رہا آپ ﷺ ہر سال رمضان میں اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ رفیقِ اعلی سے جا ملے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ. "رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے"۔ (صحیح

بخاری) ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ. "نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھالیا"۔ (صحیح بخاری) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَفْعَلُ ذَلِكَ حَتَّى تَوَفَّاهُ الْمَوْتُ. "بے شک نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنی وفات تک لگاتار (یعنی ہر رمضان میں) اعتکاف فرماتے رہے"۔ (مسندِ احمد) امام ترمذی اپنی سنن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ابی ابنِ کعب ابولیلی ابوسعید خدری انس بن مالک اور عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مذکور ہیں۔ بسا اوقات جہاد یا کسی دوسرے شرعی سفر کی وجہ سے اگر آپ ﷺ اعتکاف نہ کر سکے تو آپ نے دوسرے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا: سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كان يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، فَسَافَرَ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا. "نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال سفر کی وجہ سے آپ ﷺ اعتکاف نہ فرما سکے تو اگلے سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا"۔ (ابنِ ماجہ) اسی طرح ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ ﷺ کو اعتکاف ختم کرنا پڑ گیا تو آپ نے شوال کے دس اور بعض روایات کے مطابق آخری دس دنوں کا اعتکاف فرمایا: فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِي رَمَضَانَ حَتَّى اعْتَكَفَ فِي آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ. "پس آپ نے رمضان میں اعتکاف (مکمل) نہیں کیا تو پھر شوال کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا"۔ (صحیح بخاری) حیاتِ دنیوی کے آخری سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَان عَشَرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ العَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا. "نبی اکرم ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن جس سال آپ کو دنیا سے اٹھایا گیا اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا"۔ (صحیح بخاری) نبی

اکرم ﷺ کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی تفصیلی روایت آگے نقل کی جا رہی ہے لیکن مسند الطیالسی میں مختصراً، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: اعْتَكَفْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. ”ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا“۔(مسند الطیالسی)

اعتکاف کا اجر و ثواب

نبی اکرم ﷺ نے اعتکاف کا خصوصی اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا:« مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ، جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ كُلُّ خَنْدَقٍ أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ ». ”جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایک دن بھی اعتکاف کیا تو اللہ تعالی اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ فرما دے گا اور ہر خندق اتنی چوڑی ہو گی جتنا دونوں افقوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے“۔(المعجم الاوسط) ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے معتکف کے بارے میں فرمایا:« هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ، وَيُجْرَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا ». ”(اعتکاف میں رہنے کی وجہ سے) معتکف گناہوں سے بچا رہتا ہے اور (خارجی) نیکیوں میں سے اسے نیکیاں کرنے والے کے برابر اجر دیا جاتا ہے“۔(ابنِ ماجہ) امام ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں اعتکاف کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اصلاحِ قلب اور سیر الی اللہ کی راہ پر استقامت اللہ تعالیٰ کی طرف دل جمعی عطا کیے جانے پر موقوف ہے۔ اگر دل کی دنیا پراگندہ ہو تو اللہ سے لو لگانا، ناممکن ہے۔ چونکہ کھانے پینے، لوگوں سے میل ملاپ، سونے اور بات چیت میں زیادتی سے دل کی پراگندگی میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور انسان تقرب الی اللہ کی منزل سے بھٹک کر اِدھر اُدھر کی وادیوں سرگرداں رہتا ہے یا پھر کم از کم اس راہ میں سست روی، پسپائی اور کم ہمتی تو پیدا ہو ہی جاتی ہے اس لیے عزیز و رحیم کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ بندوں پر روزہ مشروع فرمائے جس سے کھانے پینے کی زیادتی جاتی رہے اور دل اختلاطِ شہوات سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر چل پڑے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے

اعتکاف کو بھی مشروع قرار دیا ہے جس کا مقصد اور جس کی روح اللہ تعالیٰ پر دل کا ٹھہر جانا، اس کے احکام پر دلجمعی، اس کے لیے خلوت نشینی اور مخلوق کے ساتھ مشغولیت سے کٹ کر صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مصروف ہوجانا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا ذکر، اس کی محبت اور اس کا اقبال بندے کے دل میں اس کے فکر وغم کی جگہ لے لے۔ اس کے تمام فکر اور تمام خطرات اللہ کے ذکر سے وابستہ ہوجائیں، اس کی تمام فکریں اللہ کی رضا جوئی اور اس کے تقرب کے حصول کے لیے ہوں، اس کی نسبت مخلوق کی بجائے صرف اللہ کے ساتھ ہوجائے اور یہ انسیت اس کو قبر کی وحشت کے دن کام آئے، اس وقت جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی مونس نہ ہو اور اس کے سوا کسی سے اس کی فرحت وخوشی نہ ملتی ہو۔ یہ ہے اعتکاف کا عظیم مقصود ہے"۔

لیلۃ القدر کا حصول

اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو جن خاص عنایتوں سے نواز ہے ان میں ایک لیلۃ القدر کی عبادات کی مشروعیت بھی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مُؤطّا میں بعض قابلِ اعتماد اہلِ علم سے بیان کرتے ہیں: أُرِيَ أَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهُ،أَوْ مَا شَاءَ اللهُ مِنْ ذَلِكَ،فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهِ أَنْ لاَ يَبْلُغُوا مِنَ الْعَمَلِ،مِثْلَ الَّذِي بَلَغَ غَيْرُهُمْ فِي طُولِ الْعُمْرِ،فَأَعْطَاهُ اللهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ،خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ. "رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سابقہ لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں تو نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی امت کی مختصر عمروں کا دھیان کیا، چنانچہ خیال آیا کہ آپ کی امت اپنی عمر کی قلت اور دوسروں کے طول کے سبب نیکیوں میں پیچھے رہ جائے گی اس پر آپ کو لیلۃ القدر عطا کی گئی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے"۔ (موطا امام مالک) اعتکاف کا خاص عمل شبِ قدر کو پانا بھی ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک بار تلاش لیلۃ القدر میں پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا اور طائفہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا پھر جبریل

آئے اور آپ کو خبر دی کہ جس رات کو آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ تو آگے ہے، پھر آپ نے درمیانی عشرے میں بھی اعتکاف کو جاری رکھا، تو ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں رہے۔ (پس جب بیسویں روزے کی صبح ہو گئی تو ہم نے اپنے سامان مسجد سے منتقل کرنے شروع کر دیے) کہ جبریل آپ ﷺ کے پاس آئے اور خبر دی کہ آپ جس رات کے متلاشی ہیں وہ آگے ہے۔ پس آپ ﷺ نے بیسویں روزے کی صبح خطاب کیا اور فرمایا جس نے اللہ کے نبی (ﷺ) کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ واپس آجائے مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی لیکن پھر اللہ کی طرف سے بھلا دی گئی، پس لوگ (آخری عشرے کے اعتکاف کے لیے) مسجد لوٹ آئے۔ (بخاری) نبی اکرم ﷺ آخری عشرے میں لیلۃ القدر کی تلاش کا حکم دیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُجَاوِرُ فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُولُ: «تَحَرَّوْا لَيْلَةَ القَدْرِ فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ». ”رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری دس دنوں میں تلاش کیا کرو“۔ (بخاری) ایک روایت میں فرمایا: «لَيْلَةُ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْبَوَاقِي مَنْ قَامَهُنَّ ابْتِغَاءَ حِسْبَتِهِنَّ، فَإِنَّ اللهَ يَغْفِرُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَا تَأَخَّرَ». ”لیلۃ القدر آخری دس راتوں میں ہے جو ان راتوں کا قیام کرے گا ثواب اور نجات کی خالص نیت کے ساتھ تو اللہ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دے گا“۔ (مسندِ احمد) غور کیجیے نبی اکرم ﷺ نے لیلۃ القدر کی عبادت کا حکم نہیں دیا بلکہ آپ نے لیلۃ القدر کی تلاش میں آخری عشرے کی راتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے اور لیلۃ القدر کی رات کی عبادت کا حکم کیسے دیا جا سکتا تھا جبکہ وہ رات کسی کو، معین طور سے معلوم ہی نہیں تھی لہذا نبی اکرم ﷺ نے یہاں آخری دس راتوں میں تلاشِ شبِ قدر کا حکم دیا ہے اور آخری دس راتوں میں طاق اور جفت دونوں راتیں شامل ہیں۔ گویا منشاے قول نبی ﷺ یہ ہے کہ جفت طاق کی بحث سے قطع نظر پورے عشرے کی عبادت کی جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری دس راتوں میں عبادت کا حکم دیا، آپ خود بھی ان دس راتوں میں عبادت کا زیادہ اہتمام کرتے تھے، اہلِ خانہ کو بھی

جگایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلافِ امت رحمۃ اللہ علیہم کا معمول بھی یہی تھا کہ آخری عشرے میں بطور خاص اللہ کی عبادت میں مجاہدہ کرتے تھے۔ بعض روایات میں آخری عشرے کی طاق راتوں کا ذکر بھی فرمایا گیا: «تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ». ”لیلۃ القدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو“۔ (بخاری) بعض روایات میں آخری عشرے کی مختلف راتوں کا نام لے کر ان میں لیلۃ القدر کی تلاش کا حکم دیا گیا لیکن وہ برسبیلِ تنزل یا کمزور حضرات کے لحاظ پر مبنی ہے اور منشائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال یہی معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص راتوں کے بجائے پورے عشرے کی عبادت بجا لائی جائے۔ یہ نکتہ امام ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکاۃ میں بیان کیا ہے: ”پھر یہ بھی جان لو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو یہ بتایا کہ لیلۃ القدر کو آخری سات راتوں میں تلاش کرو اور دوسری طرف آپ نے آخری دس راتوں کے قیام کی ترغیب بھی دلائی تو دس راتوں کی عبادت کی تاکید ان لوگوں کے لیے ہے جن میں عبادت کی قوت موجود ہے اور سات راتوں کا ذکر ان کے لیے کیا جو دس دنوں کی عبادت کی طاقت نہیں رکھتے“۔ یہ لکھنے کے بعد علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل حدیث پیش فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ يَعْنِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَإِنْ ضَعُفَ أَحَدُكُمْ أَوْ عَجَزَ فَلاَ يُغْلَبَنَّ عَلَى السَّبْعِ الْبَوَاقِي». ”لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو اور اگر تم میں سے کوئی اس سے بھی کمزور ہو یا عاجز ہو تو وہ آخری سات راتوں میں توسستی نہ کرے“۔ (مسلم) لیلۃ القدر کے تلاش کرنے کا مطلب ان راتوں کو قیام، تلاوت، ذکر و اذکار اور دعا و مناجات اور درس و تدریس سے زندہ رکھنا ہے۔ مختلف روایات اور اندازوں کے باوجود یہ بات طے ہے کہ متعیّن طور پر یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے۔ اللہ تعالی اسے پوشیدہ ہی رکھنا چاہتے تھے اسی لیے جب ابتدا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتانا چاہا تو اللہ تعالی نے آپ کو وہ رات بھلا ہی دی: ”بے شک مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی اور بے شک پھر مجھے بھلا بھی دی گئی، میں تو نکلا تھا کہ تمھیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتا دوں کہ اتنے میں فلاں اور فلاں لڑ پڑے پس اس کا علم اٹھا لیا گیا، امید ہے کہ یہی

تمھارے لیے بہتر ہو گا"۔ ایک بار سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے لیلۃ القدر کے بارے میں متعدّد سوالات کیے ان کے انداز سے لگتا ایسا ہے کہ شاید وہ اس کا تعین چاہتے تھے۔ لیکن آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیا: «لَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا». "اس کے بعد مجھ سے کسی چیز کا نہ پوچھنا"۔ (مسندِ احمد) مراد یہ تھا کہ اس رات کے بارے میں نہ پوچھنا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اہلِ علم نے ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر قرار دیا ہے لیکن یہ ان اہلِ علم کے ہاں بھی حتمی نہیں ہے۔ عوام الناس میں یہ خیال کچھ اس طرح سے پھیل گیا ہے کہ وہ ستائیسویں شب ہی کی عبادت کرتے ہیں نہ اس سے پہلے کی راتوں کی انھیں خبر ہوتی ہے اور نہ بعد والی راتوں کا ہوش! لیکن احادیث میں دیکھیں تو آخری عشرے کی تمام ہی طاق راتوں پر شبِ قدر ہونے کا گمان گزرتا ہے، ملاحظہ کیجیے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا: "پس مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی اور پھر بھلا بھی دی گئی اور میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میں لیلۃ القدر کی صبح کو پانی اور مٹی (یعنی ہلکے سے کیچڑ) میں سجدہ کر رہا ہوں، راوی حدیث سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس رات کو بارش ہوئی اور مسجد کی چھت گھاس پھونس کی تھی اور بہہ نکلی تو میری آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کی پیشانی مبارک پر پانی اور مٹی کا نشان لگا ہے (یعنی آپ نے فجر کی نماز اسی گارے پر پڑھی) اور وہ رمضان کی اکیسویں رات کی صبح تھی"۔ یہی واقعہ سیدنا عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے لیکن وہ رات تیئیسویں بتاتے ہیں: "پس آپ کے اس خواب کے مطابق ہم پر بارش برسائی گئی اور وہ تیئیسویں رات تھی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب آپ فارغ ہوئے تو پانی مٹی کے نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک مبارک پر نظر آ رہے تھے"۔ ملاحظہ کیجیے کہ لیلۃ القدر کے تعین کی ان دو روایتوں میں تاریخ کا اختلاف در آیا کہ ایک صحابیِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارش سے گیلی مٹی پر نماز پڑھنے والے واقعے کو اکیس رمضان بتا رہا ہے اور ایک تیئیس رمضان، تو یہ اختلاف حکمت خداوندی کے سبب ہے کہ اس رات کو پوشیدہ رکھا جائے۔ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے سنا: "لیلۃ القدر کو تلاش کرو اکیسویں رات اور تیئیسویں رات کو اور پچیسویں رات کو اور ستائیسویں رات کو اور آخری رات کو"۔ (ترمذی) اس روایت میں رمضان کی

آخری رات کو بھی لیلۃ القدر کا احتمال رکھنے والی راتوں میں شامل کیا گیا ہے جو عام طور پر مشہور نہیں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مشکاۃ میں اس بابت لکھتے ہیں: ''امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آخری رات میں رمضان کی انتیسویں کا بھی احتمال ہے اور خاتمہ رمضان کی رات کا بھی یعنی تیسویں کا، لیکن ہم پہلی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ آخری رات سے مراد بھی انتیسویں ہی ہے کیونکہ وہ طاق رات ہے اور لیلۃ القدر کے طاق ہونے کے بارے میں دوسری روایات بھی ہیں اور انتیسویں شب کے لیے آخری کا لفظ، اس لیے لایا گیا کہ کبھی ماہ رمضان انتیس دن کا ہوتا ہے تو انتیسویں ہی آخری بھی ہوتی ہے''۔ ان دو روایات میں آخری عشرے کی تمام راتوں، شبِ قدر کے حوالے سے ذکر کر دیا گیا لہٰذا کسی ایک رات کو متعیّن طور پر لیلۃ القدر سمجھ کر خاص اسی کی عبادت کرنا مناسب امر نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض علما رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ راتوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے تو یہ ان کے اندازے تھے جو انھوں نے روایات کی ترجیح و تطبیق کے نتیجے میں قائم کیے تھے لیکن ان کا اپنا طرزِ عمل یقینا یہ نہیں رہا ہو گا کہ وہ کسی ایک رات کی مخصوص عبادت کرتے ہوں بلکہ عملی طور پر تو وہ پورے عشرے کی عبادت کرتے ہوں گے البتہ علمی طور پر کسی ایک رائے کو ترجیح دینا ایک دوسری بات ہے۔ اس اِخفا کی حکمت کے بارے میں حضرت مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علما کے قول کے مطابق لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ عبادت میں خوب محنت کر سکیں اور اگر اس کا تعین کر دیا جاتا تو لوگ صرف اسی کی عبادت پر اکتفا کرتے'' (مرقاۃ)۔ امام ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ زادالمسیر میں فرماتے ہیں: ''اس رات کے اخفا میں حکمت یہ ہے کہ بندے لیلۃ القدر کے شوق میں رمضان کی تمام ہی راتوں کی عبادت کریں''، یہی وجہ ہے کہ عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھے جانے پر فرماتے تھے کہ جو پورا سال قیام کرے گا وہ اسے پائے گا''۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے بارے میں اُبی ابنِ کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ''اللہ ابو عبدالرحمن ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ جانتے تھے کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے لیکن وہ یہ جواب اس لیے دیا کرتے تھے کہ لوگ عبادت میں کوتاہی نہ کریں''۔ (مسندِ احمد) شریعت کا مزاج یہ ہے کہ بندوں کو عبادت میں راسخ کیا جائے جو ان کی وجہ

تخلیق بھی ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں عام دنوں کے قیام اور نفل نماز ادا کرنے کی ترغیب بے شمار نصوص میں دی گئی ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾ ”اور جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں اور (کبھی) قیام میں“ (فرقان:۶۴) ﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ ”اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں“ (سجدۃ:۱۶) ﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾ ”وہ رات کے وقت کم سوتے تھے“۔ (ذاریات:۱۷) اور نبی اکرم ﷺ نے بے شمار مقامات پر قیام اللیل کی ترغیب دی مثلا ترمذی شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”رات کے وقت نماز پڑھو جبکہ لوگ سو رہے ہوں“۔ یہ ایک عمومی ترغیب ہے جو بتاتی ہے کہ بندے ہر شب قیام کیا کریں لیکن اب جن کے لیے یہ مشکل ہے ان کے لیے گویا رعایت کرتے ہوئے رمضان کے مہینے میں خصوصی طور پر قیام کی تاکید و ترغیب دلائی گئی، چنانچہ بخاری شریف میں روایت نقل ہوئی، حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے، ایمان اور اجر و ثواب کی خالص نیت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے“۔ اس خصوصی فضیلت پر مزید اضافہ آخری عشرے کی عبادت کے ذکر و ترغیب سے کیا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اور جو کوئی اس سے بھی ہمت ہار گیا ہو تو اسے یہ ترغیب دی گئی کہ طاق راتوں ہی میں عبادت کر لے جیسا کہ روایت بیان ہو چکی ہیں۔

لیلۃ القدر کی عبادت

لیلۃ القدر ک واللہ تعالی نے ہزار راتوں کے برابر قرار دیا ہے: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ ”شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے“ (قدر:۳)، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اس رات میں نیک عمل یا قیام کرنا ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے“ (زاد المسیر)، گویا ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار رات کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے۔ اس رات کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں فرشتوں کا بکثرت نزول ہوتا ہے: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ

كُلِّ أَمْرٍ﴾ ”اُس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر کام کے لیے اُترتے ہیں“۔(قدر:۴)
نبی اکرم ﷺ لیلۃ القدر کے ذکر میں بیان کرتے ہیں: «إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فِي الْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ الْحَصَى». ”اس رات میں فرشتے اتنی تعداد میں زمیں پر اترتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں ہوتی“۔(مسندِ احمد) ان فرشتوں کے نزول کی وجہ سے رحمت کا نزول بھی ہوتا ہے، ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”اس رات میں کثیر تعداد میں فرشتے، ڈھیر ساری برکتوں کے ساتھ زمیں پر اترتے ہیں کیونکہ جب فرشتے نازل ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے یہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح وہ تلاوتِ قرآن کے موقعے پر اترتے ہیں، ذکر کے حلقوں کا اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور طالب علمِ دین کے قدموں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں“۔نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے: «إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ». ”جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں اترتے ہیں اور پھر ہر آدمی کے لیے جو (نماز) میں کھڑے یا (تلاوت و اذکار میں) بیٹھا اللہ کو یاد کر رہا ہو اس کے لیے دعائیں مانگتے ہیں“۔(شعب الایمان) قرآن پاک میں اس رات کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے: ﴿سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ ”وہ رات سراپا سلامتی ہے فجر کے طلوع ہونے تک“۔(قدر:۵) امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ”سلام سے مراد فرشتوں کا اہل مسجد و عبادت کو سلام کرنا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے“۔(ابنِ کثیر) قرآنِ پاک کی مختلف آیات اور احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اہلِ ایمان کے ولی ہیں اور ان کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔پس ان کی دعائیں انسان کے روحانی ترفع کا اہم ذریعہ ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، لیلۃ القدر کے ضمن میں فرماتے ہیں: ”مسلمان لیلۃ القدر میں عبادت کرنے پر متفق ہیں کیونکہ اس رات لیلۃ القدر میں ایک قسم کی روحانیت پھیلی ہوتی ہے فرشتے زمین پر اترتے اور انسانوں کے نزدیک ہوتے ہیں اور ان کے انوار انسانوں پر منعکس ہوتے ہیں۔شیاطین انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور

انسانوں کی عبادات اور دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے"۔(حجۃ اللہ البالغہ) اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے لیلۃ القدر کی عبادت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:«مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». "جس نے، ایمان اور اجر و ثواب کی خالص نیت کے ساتھ لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔(بخاری) لیلۃ القدر کی عبادت سے محروم رہنے والے کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت فرمائی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی آمد پر ارشاد فرمایا:«إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ،وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مَنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ،وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُومٍ». "بے شک یہ مہینا تم پر سایہ فگن ہو چکا اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو اس کی عبادت سے محروم رہا وہ تو کُل خیر سے محروم رہا اور اس عظیم رات کے خیر سے وہی محروم رہ سکتا ہے جو سرے سے محروم ہی ہے"۔ (ابنِ ماجہ) ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں محرومی کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ:"سعادت اور خوش نصیبی سے اسے کوئی حصہ نہیں ملا اور یہ ذوق عبادت سے بھی محروم ہے"۔ پس یارانِ نکتہ داں کے لیے صلائے عام ہے کہ ہر ممکن کوشش اس رات کو پانے کی کرے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ پورے آخری عشرے کو زندہ رکھا جائے اور کمزور حضرات کو بھی طاق راتوں کا تو ضرور اہتمام کرنا چاہیے۔

رمضان کی آخری رات کو زندہ رکھنا

عام طور پر لوگ ستائیسویں شب کی عبادت کر کے بعد والے دنوں کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ انتیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے کا امکان تو خود احادیث میں موجود ہے۔ اس لیے اس رات کو بھی زندہ رکھنا چاہیے۔ رمضان کی آخری رات بھی مغفرت کی رات ہے: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے صالحین (روزہ اور قیام رمضان کا اہتمام کرنے والوں) کے بارے میں فرمایا کہ:"آخری رات اُن کی مغفرت کر دی جاتی ہے، پوچھا گیا یا رسول اللہ! کیا یہ آخری رات لیلۃ القدر ہے؟ فرمایا:

نہیں (مغفرت کا سبب شبِ قدر ہونا نہیں ہے) بلکہ عمل کرنے والا جب اپنا کام پورا کرلیتا ہے تو اسے مزدوری دی ہی جاتی ہے"۔ (مسندِ احمد) رمضان کی آخری رات سے مراد آخری روزے سے پہلے گزرنے والی رات ہے۔ اگر روزے انتیس ہوئے تو یہ انتیسویں رات ہوگی جس کے لیلۃ القدر ہونے کا احتمال بھی ہے اور اگر رمضان کے روزے تیس ہوئے تو یہ تیسویں رات ہوگی جو شبِ قدر ہو یا نہ ہو شبِ مغفرت و اجر ضرور ہے۔ لہٰذا اس رات کو بھی عبادت سے زندہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ مصروفِ عبادت رہنا اللہ کی مغفرت کو زیادہ متوجہ کرتا ہے۔ امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں ایک خاص نکتہ بیان کیا ہے: "ظاہر تر بات یہ ہے کہ یہاں زمانے (یعنی آخری رات) کو مغفرت کے سبب کی جگہ بیان کیا گیا ہے (حالانکہ وہ رات خود مغفرت کا سبب نہیں ہے) بلکہ لیلۃ القدر بھی اپنی ظرفیت اور وقت کے اعتبار سے مغفرت کا سبب نہیں، وہ عبادت کا زمانہ اور وقت ہے اور عبادت ہی وہ اصل شے ہے جو مغفرت کا سبب ہے"۔

عید کی رات کو زندہ رکھنا

عید کی رات سے مراد چاند رات ہے۔ اگرچہ یہ رمضان کی رات نہیں بلکہ شوال کی پہلی رات ہے لیکن ایک حدیث میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے: «مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ لِلَّهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ». "جو عیدین کی راتوں میں اللہ سے بدلہ پانے کی امید پر قیام کرے گا اس کا دل نہیں مرے گا جس دن تمام دل مر جائیں گے"۔ (ابنِ ماجہ) چنانچہ جمہور فقہائے کرام، حضرات مالکیہ، فقہائے احناف اور فقہائے شوافع رحمۃ اللہ علیہم نے لیلۃ العیدین (دونوں عیدوں کی راتوں) کے قیام کو مستحب قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کی ہے: «مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْعِيدِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِينَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ». "جو عید کی رات میں اللہ سے بدلہ پانے کی امید پر قیام کرے گا اس کا دل نہیں مرے گا جب دل مر جائیں گے"۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس پر یہ تبصرہ فرماتے ہیں: "ان راتوں کی فضیلت کے بارے میں جو بیان ہوا ہے میں اسے فرض (یا لازم) نہ

ہونے کی شرط کے ساتھ مستحب سمجھتا ہوں''۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ عید کی رات کے بارے میں فرماتے ہیں: ''عید الفطر کی رات اپنی فضیلت میں آخری عشرے کی راتوں کی طرح ہے''۔(مختصر قیام اللیل وقیام رمضان) چنانچہ چاندرات کی اسی حکمتِ عبادت کے سبب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے معتکف کے لیے چاند رات مسجد میں بسر کرنا مستحب قرار دیا ہے۔ اگرچہ عید کا چاند نظر آنے پر مسنون اعتکاف پورا ہوجاتا ہے اور معتکف اپنے گھر جاسکتا ہے لیکن چاندرات بھی اعتکاف گاہ میں بسر کرنا مستحب ہے اور سلف صالحین سے ایسا کرنا منقول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے بعض اہلِ علم کو دیکھا کہ جب وہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے ہیں تو عید کی رات گھر والوں کے پاس نہیں لوٹتے یہاں تک کہ لوگوں کے ساتھ عید کی نماز ہی کے لیے نکلتے ہیں''۔(موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تابعین معتکف کے لیے مستحب قرار دیتے تھے کہ وہ عید الفطر کی (یعنی چاند) رات اعتکاف والی مسجد میں ہی بسر کرے''۔ (مصنف ابنِ ابی شیبہ) أبو مِجلَز تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جس مسجد میں اعتکاف کیا کرو (چاند) رات بھی اسی میں بسر کیا کرو۔ آج جبکہ ہم رمضان میں زندہ ہیں اور ہمیں گوشِ ہوش سے سننا چاہیے کہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل عین مطابق منادی کی ندائیں بلند ہو رہی ہیں: ''اے نیکی کے چاہنے والے! آگے بڑھ (ہمت کر) اور برائی کے چاہنے والے (برائی سے) پیچھے ہٹ''۔ پس جو کوئی اس حدیث کی تعلیم، نیکی میں سبقت اور گناہ سے پسپائی کی اختیار کیے رکھے گا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ: ''اور اللہ تعالی رمضان میں بہت سوں کو دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے''۔(ترمذی) رمضان کا مہینا قریب ہے، اور اگر خدانخواستہ اس موقعے سے فائدہ نہ اٹھایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ بدعا ہمیں سامنے رکھنی چاہیے: «رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ». ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس پر رمضان آئے اور گزر جائے اس سے پہلے کہ وہ بخش نہ دیا جائے''۔(ترمذی) اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

* * * * *

رمضان اور دعا

سورۃ البقرۃ میں رمضان کے احکام کے بیان کے درمیان دعا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ "اے نبی! جب آپ سے میرے بندے، میرے بارے میں پوچھیں تو بتا دیجیے کہ میں قریب ہی ہوں، ہر دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب بھی وہ پکارے، پس چاہیے کہ وہ میری باتوں کو مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ ہدایت پا جائیں"۔ (بقرۃ:۱۸۶) امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "احکامِ صیام کے درمیان اس آیتِ مبارکہ سے خطاب کرنا گویا دعا میں محنت و اجتہاد کرنے کی راہنمائی کرنا ہے"۔ رمضان اور دعا کا تعلق کئی اعتبار سے ہے، ایک تو یہ کہ روزہ اور اس کے متعلقات عبادت میں داخل ہیں جب کہ دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ روزہ انسان کی روحانی بیداری کا ذریعہ ہے اور جب انسان روزے اور متعلقہ عبادات کے اہتمام سے اپنی روح کو زندہ و توانا کرتا ہے تو اس کی روح اپنے رب سے لو لگاتی ہے اور اس کا اہم ذریعہ دعا ہے۔ رمضان المبارک کا خصوصی انعام قبولیت دعا ہے جس کا سلسلہ آغاز رمضان ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بات ایک حدیثِ مبارکہ میں یوں بیان کی گئی: «إِنَّ أَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ،فَلَا تُغْلَقُ إِلَى آخِرِ لَيْلَةٍ مِنْهُ». "بے شک آسمان کے دروازے ماہ رمضان کی پہلی رات ہی میں کھول دیے جاتے ہیں اور پھر رمضان کی آخری رات تک ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا"۔ (المعجم الاوسط) شارحینِ حدیث نے آسمان کے دروازے کھولے جانے کو دعاؤں کی قبولیت کے لیے ایک اشارہ قرار دیا ہے۔ (تنویر شرح الجامع الصغیر، فیض القدیر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا: «إِنَّ لِلَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عُتَقَاءَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ يَعْنِي:فِي رَمَضَانَ،وَإِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةً

مُسْتَجَابَةً». ''بے شک اللہ کی طرف سے رمضان کے ہر دن رات میں بہت سے لوگوں کو دوزخ سے بچایا جاتا ہے اور بے شک رمضان کے ہر دن رات میں مسلمان کی دعا قبول کی جاتی ہے''۔(صحیح الترغیب و الترہیب)ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ رمضان کا پورا مہینا، اس کے دن اور اس کی راتیں، قبولیت دعا کے لیے ایک ظرف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ فضیلت تمام اوقات کو حاصل ہے البتہ بعض اوقات اور حالات میں قبولیت دعا کی اضافی فضیلت بیان کی گئی ہے جو درج ذیل ہیں:

سحری کی دعا

روزے کی ابتدا سحری سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سحری کھانے کی تاکید فرمائی۔ اس لیے ہر روزے دار اس وقت بیدار ہوتا ہی ہے۔ ہمارے علم میں کوئی ایسی روایت تو نہیں آئی جس میں روزے دار کو سحری کے وقت دعا کا حکم دیا ہو لیکن سحری کے وقت بلکہ نصف یا تہائی رات کے بعد سے لے طلوع فجر تک کے وقت اور اس وقت میں دعا و استغفار کی فضیلت ایک مسلمہ امر ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«إِذَا مَضَى شَطْرُ اللَّيْلِ أَوْ ثُلُثَاهُ يَنْزِلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ؟ حَتَّى يَنْفَجِرَ الصُّبْحُ». ''جب آدھی رات یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے اللہ تبارک و تعالی آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے پھر فرماتا ہے، ہے کوئی مانگنے والا جسے میں عطا کروں، ہے کوئی دعا کرنے والا میں جس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی بخشش مانگنے والا ہے جس کی بخشش کر دی جائے اور یہ سلسلہ صبح پھوٹنے تک چلتا رہتا ہے''۔(مسلم) اللہ تعالی نے اپنے خاص بندوں کی صفات میں بیان کیا:﴿الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ ''صبر کرنے والے، سچ بولنے والے فرمانبرداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت استغفار کرنے والے''۔ (آلِ عمران:۱۷)﴿ كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ ''وہ

رات کو تھوڑا سویا کرتے تھے اور سحر کے اوقات میں گناہوں کی بخشش مانگا کرتے تھے"۔(ذاریات:۱۷، ۱۸)
کثرتِ استغفار، رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہے:«وَاللهِ إِنِّی لأَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً». "اللہ کی قسم بے شک میں اللہ تعالی کی جناب میں یومیہ ستر بار سے زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں"۔(بخاری)رسول اللہ ﷺ نے اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:«يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللهِ،فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ». "اے لوگو! اللہ کی جناب میں توبہ کرو، بے شک میں دن میں اس کی جناب میں سو سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں"۔(مسلم)ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«مَنْ لَزِمَ الاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا،وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا،وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ». "جو استغفار کو لازم پکڑے گا اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنائے گا اور اس کی ہر فکر و پریشانی دور کرے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکے گا"۔(ابوداود) یہاں ایک نکتے کی بات یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ استغفار کی کثرت، گناہوں کی معافی کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس کا بھی ذریعہ ہے اولاً تو اس لیے کہ تزکیے کا ایک حصہ گناہوں سے پاکی و معافی ہے اور اس کا ذریعہ استغفار ہے اور دوسرے یہ کہ کثرت استغفار، تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ امام ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں اس کی وضاحت فرمائی جس کی تفصیل یوں ہے کہ اس حدیثِ مبارکہ کا مضمون ان آیاتِ مبارکہ سے مماثل بلکہ کشیدہ و مقتبس ہے:﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ "اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا"۔(طلاق:۲، ۳)حدیث میں استغفار کرنے والے کے لیے جو بشارتیں بیان کی گئی ہیں وہی آیتِ مبارکہ میں تقویٰ کے لزوم پر بیان کی گئی ہیں۔ یعنی استغفار اور تقویٰ دونوں کے حاصل ایک جیسے ہیں، اسی باہمی مناسبت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ استغفار کا حاصل بھی تقویٰ

ہے۔اس طرف اشارہ ایک دوسری حدیث سے بھی ملتا ہے کہ ایک صحابیؓ رسول ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بہت بدزبانی کرتا ہوں، یارسول اللہ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں دوزخ میں نہ جاپڑوں فرمایا:«فَأَيْنَ أَنْتَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ؟ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ». ''استغفار کے معاملے میں تو کہاں کھڑا ہے (کتنا استغفار کرتا ہے) جبکہ میں تو دن میں سو سو بار استغفار کرتا ہوں''۔ (مسندِ احمد)حدیث میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے سحری کھانے والے کو اللہ کی برکت و رحمت اور فرشتوں کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں:«السُّحُورُ أَكْلَةٌ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوهُ،وَلَوْ أَنْ يَجْرَعَ أَحَدُكُمْ جَرْعَةً مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِينَ». ''سحری کا کھانا برکت ہے، پس اسے ترک نہ کرو چاہے پانی ایک گھونٹ پانی ہی سے اس کا اہتمام کرو، بے شک اللہ سحری کھانے والے پر برکتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعاے رحمت کرتے رہتے ہیں''۔(مسندِ احمد)پس سحری کے بابرکت اور رحمت بھرے ماحول میں چاہیے کہ استغفار میں کثرت کی جائے۔

حالتِ روزہ میں دعا

حالت روزہ میں انسان کو خصوصی طور پر دعا کی جانب متوجہ رہنا چاہیے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«الصَّائِمُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ». ''روزے دار کی دعا رد نہیں کی جاتی''۔ (مسندِ احمد)ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ: دَعْوَةُ الصَّائِمِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ». ''تین دعائیں ایسی ہیں جو قبول کی جاتی ہیں: روزے دار کی دعا، مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا''۔(شعب الایمان) یہی بات ایک دوسرے انداز میں یوں بھی فرمائی گئی:«ثَلاَثَةٌ لاَ تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ». ''تین لوگوں کی دعا نہیں ٹالی جاتی امام عادل کی دعا اور روزے دار کی دعا یہاں تک کہ افطار کرلے اور مظلوم کی

دعا"۔(ترمذی)ان احادیث میں تو روزے دار کی ان دعاؤں کی قبولیت کی اشارت ہے جو وہ حالتِ روزہ میں کرے، چاہے نماز و عبادت کے اوقات میں چاہے اس کے علاوہ، لہذا حالت روزہ میں دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

افطار کے وقت کی دعا

افطار کے وقت کی دعا کی بھی خاص اہمیت بیان کی گئی ہے:«لِلصَّائِمِ عِنْدَ إِفْطَارِهِ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ». "روزے دار کے لیے اس کے افطار کے وقت ایسی دعا ہے جو قبول کی جاتی ہے"۔(شعب الایمان)دوسرے اسلوب میں یہ بشارت یوں سنائی گئی:إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ». "بے شک روزے دار کے لیے ایسی دعا کا موقع ہے جو رد نہیں کی جاتی"۔(ابنِ ماجہ)ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دعا میں خوب محنت کی جائے بالخصوص افطار کے وقت، گھر والوں کو جمع کر کے دعا میں شریک کرنا چاہیے۔ایک روایت میں وارد ہوا ہے:«كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو إِذَا أَفْطَرَ دَعَا أَهْلَهُ وَوَلَدَهُ وَدَعَا». "جب افطار کا وقت آجاتا تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے اہل و اولاد کو بلاتے اور پھر دعا فرماتے"۔(شعب الایمان)

اِفطار کی دعائیں

ویسے تو افطار کے موقع پر ہر جائز دعا مانگی جا سکتی ہے لہذا زیادہ سے زیادہ دعائیں مانگنی چاہیں۔البتہ بعض مسنون و ماثور دعائیں بھی ہیں ان کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔سیدنا معاذ بن زہرہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں، انھیں یہ بات پہنچی ہے:أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ:«اللَّهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ». "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے عطا کیے رزق پر افطار کرتا ہوں"۔(ابو داود)بعض علما نے یہ بھی کہا کہ یہ دعا افطار کے بعد پڑھنی چاہیے۔جیسے مرقاۃ میں ہے:"ابن الملک کہتے ہیں کہ یہ دعا افطار کے بعد پڑھنی چاہیے"۔البتہ بعض علما کے نزدیک یہ دعا افطار کے موقع یعنی افطار سے قبل پڑھنی چاہیے۔امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل الاوطار

میں لکھتے ہیں: ”حدیث معاذ بن زہرہ رحمۃ اللہ علیہ سے معلوم ہوتا کہ اس روایت میں بیان کردہ دعا افطار کے موقعے پر پڑھنی چاہیے اور اسی طرح ہم نے جتنی بھی دعائیں اس باب میں بیان کیں سب کا یہی حکم ہے“۔ رسالہ تحفۂ رمضان از حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی اسی طرح درج ہے کہ یہ دعا افطار سے قبل پڑھنی چاہی۔ المعجم الصغیر میں اس دعا سے قبل بسم اللہ پڑھنا بھی منقول ہے۔ اکثر محدثین نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن چونکہ کھانے پینے سے قبل بسم اللہ کی تاکید عمومی طور پر ثابت ہے تو اس عمومی تاکید کے تحت افطار سے قبل بسم اللہ بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ صرف اس دعا پر اقتصار کیا جائے تب بھی حرج نہیں کیونکہ اللہ کا نام اس دعا میں بھی لیا جا چکا۔

تنبیہ

عوام الناس کے ہاں یہ دعا ان الفاظ میں مشہور ہو گئی ہے: اللَّهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ ”اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور تجھی پر بھروسا رکھتا ہوں اور تیرے رزق پر افطار کرتا ہوں“۔ امام ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”لوگوں کی زبان پر مشہور ہو گئے ہیں، یہ مسنون دعا پر اضافہ ہے جس کا سنت و حدیث میں ثبوت نہیں ہے“۔ پس چاہیے کہ ان الفاظ کو بوقتِ افطار نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ اوپر ابو داوٴد کے حوالے سے بیان کردہ دعا ہی پڑھنی چاہیے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ: «ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ». ”رسول اللہ ﷺ جب افطار فرماتے تو درج ذیل دعا پڑھا کرتے تھے: پیاس چلی گئی، (بدن کی) رگیں تر ہو گئیں اور اجر پکا ہو گیا اگر اللہ نے چاہا تو“۔ (ابو داود) امام ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں لکھتے ہیں: ”نبی کریم ﷺ یہ دعا افطار کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے“۔ کئی شارحین حدیث نے اس دعا کے بارے میں یہی لکھا کہ یہ بعد از افطار پڑھنی چاہیے۔ امام ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ دعا افطار کے بعد پانی پی لینے کے بعد پڑھنی چاہیے“۔ (المفاتيح في

شرح المصابيح)اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ افطار کے بعد جلد ہی یہ دعا پڑھ لینی چاہیے، نہ یہ کہ انسان کھانے پینے میں مشغول ہوجائے اور بہت دیر کے بعد یہ دعا پڑھے۔

تنبیہ: امام شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ نے الاذکار میں یہ تمام دعائیں بابُ ما يقولُ عندَ الإِفْطَار کے تحت بیان کیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دعائیں افطار کے موقعے پر بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملے میں توسع ہے اور جسے ہم نے بعد میں قرار دیا یا جسے پہلے پڑھنے کا ذکر کیا ہے اگر ان کی ترتیب آگے پیچھے ہو جائے تو کوئی بڑا حرج واقع نہیں ہوتا۔ ابن ابی مُلیکہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے سیدنا عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو بوقت افطار یہ دعا پڑھتے سنا: اللَّهُمَّ إِنِّى أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِى وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي ”اے اللہ! میں تیری اس رحمت کا سول کرتا ہوں جو ہر شے پر چھائی ہے کہ تو میری بخشش فرمادے“۔ (ابنِ ماجہ) جب کسی کے پاس افطار کیا جائے تو درج ذیل دعا پڑھنی چاہیے: «أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وأَكَلَ طَعَامَكُمُ الأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ المَلائِكَةُ». ”تمھارے پاس روزے دار افطار کریں، تمھارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور فرشتے تم پر دعائیں کریں“۔ (ابوداود) مختلف روایات کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دعا عام ضیافت کے موقعے پر بھی پڑھی جا سکتی ہے اور دعوت افطار پر بھی، جیسا کہ مرقاۃ میں اس پر مفصل کلام دستیاب ہے۔

* * * * *

آداب ختمِ قرآن

تلاوت کے ایک دور کی تکمیل کے لیے جو اصطلاح ہمارے ہاں دور نبوی ہی سے رائج ہے وہ ختمِ قرآن ہے جیسا کہ احادیث میں اس کا ذکر آجائے گا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ لفظ ختم ہماری اردو کا لفظ ہے جس کا معنی خاتمہ یا اختتام ہے اور اس سمجھ کی بنا پر وہ ختمِ قرآن کے لفظ پر اعتراض کرتے ہیں اور ختم کے بجائے لفظ تکمیل' پر زور دیتے ہیں، تو ابتدا ہی میں اس کی وضاحت ہو جائے کہ عربی زبان اور خود اردو لغت میں بھی لفظ ختم کا ایک معنی مکمل کرنا بھی ہے (دیکھیے نور اللغات) تو ختمِ قرآن کے معنی ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کا ایک دَور مکمل کرنا! جس طرح تلاوتِ قرآن کے آداب ہیں جو تلاوت کے فوائد، اجر و ثواب اور خوبصورتی میں اضافے کا ذریعہ بنتے ہیں، اسی طرح ختمِ قرآن کے بھی آداب ہیں جو اجر و ثواب میں اضافے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ کئی علما نے اس موضوع پر کلام کیا ہے۔ امام نَوَوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الأذکار'' میں ''فصل في آداب الختم و ما يتعلق به'' کے زیرِ عنوان قرآنِ کریم کے دَورِ تلاوت کی تکمیل پر نفیس کلام کیا ہے۔ اسی طرح امامِ مذکور رحمۃ اللہ علیہ نے التبیان میں بھی اس موضوع پر کلام کیا ہے، انھی کے افادات کی روشنی میں یہ مضمون ترتیب دیا جا رہا ہے۔ البتہ نقل روایات میں وسعت برتتے ہوئے ہم نے دیگر مصادر سے بھی رجوع کیا ہے۔

نماز میں تکمیلِ قرآن

امام صاحب فرماتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن کی تکمیل کسی نماز میں کرنا زیادہ مستحب ہے۔ اس کے لیے انھوں نے درج ذیل حدیث پیش کی ہے: «قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ». ''نماز میں قرآن کی تلاوت کرنا نماز کے بغیر تلاوت کرنے سے افضل ہے''۔ (شعب

الایمان) اگر قرآن کی تکمیل نمازِ تراویح وغیرہ میں ہو رہی ہے تو ظاہر ہے وہ نماز ہی میں مکمل کیا جائے گا لیکن اگر نماز کے بغیر انفرادی تلاوت کی جا رہی ہے تب بھی مستحب یہی ہے کہ آخرِ قرآن میں سے کچھ حصہ کسی بھی، سنت یا نفل نماز میں مکمل کیا جائے بشرطیکہ وہ وقت نفل پڑھنے کے لیے ممنوع نہ ہو۔ اس کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ختمِ قرآن فجر اور مغرب کی سنتوں میں کر لیا جائے۔ تابعی محمد بن جُحادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ: ''وہ (صحابہ یا تابعین) اس بات کو پسند کرتے تھے کہ جب قرآن کی تکمیل رات کو کریں تو مغرب کے بعد والی رکعتوں میں اس کی تکمیل کریں اور جب دن میں اس کا ختم کریں تو فجر سے پہلے والی رکعتوں میں اسے مکمل کریں۔ (مختصر قیام اللیل وقیام رمضان) اگر تکمیل تلاوت قرآن، نماز کے لیے مکروہ وقت میں ہو رہی ہے تو پھر اختیار ہے چاہے تو ختم کو موخر کر لیا جائے یا پھر نماز کے بغیر ہی ختم کر لیا جائے، چونکہ یہ مستحبات کا دائرہ ہے اس لیے نہ تو خود پر سختی کرنی چاہیے اور نہ ہی دوسروں پر بس حتی الامکان بہتری کی کوشش کرنی چاہیے۔

تکمیل قرآن دن یا رات کے ابتدائی حصوں میں

آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ختمِ قرآن پر فرشتے دن یا رات کے دوسرے سرے تک تلاوت کی تکمیل کرنے والے کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ ختم، قرآن رات کے ابتدائی حصے میں کیا جائے یا دن کے ابتدائی حصہ میں، پس اگر رات یا دن کے ابتدائی حصے میں تکمیل کر لی جائے تو فرشتوں کی مقدس دعائیں زیادہ حاصل ہوں گی بہ نسبت رات یا دن کے درمیانی حصے میں تکمیل سے۔ یہ طریقہ بعض صحابہ سے منقول ہے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب کوئی شخص قرآن رات کے ابتدائی حصے میں ختم کرے اس پر فرشتے دعائیں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور اگر اس کا ختم رات کے آخری حصے یعنی (صبح) کو ہو جائے تو تو فرشتے شام تک اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور ہم میں سے کسی شخص کا ختم جب قریب ہوتا تو وہ کچھ قرآن کو باقی رکھتا یہاں تک کہ صبح یا شام آ جاتی اور پھر وہ اس کی تکمیل کرتا''۔

(دارمی) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اسی طرز کا تھا: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِذَا أَشْفَى عَلَى خَتْمِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ بَقَّى مِنْهُ شَيْئًا حَتَّى يُصْبِحَ فَيَجْمَعَ أَهْلَهُ فَيَخْتِمَهُ. "سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب رات کو ختمِ قرآن کے قریب پہنچتے تو قرآن کا کچھ حصہ صبح کے لیے چھوڑتے، پھر وہ صبح اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے ان کے سامنے قرآن ختم کرتے"۔ (دارمی) حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: إِذَا كَانَ الشِّتَاءُ فَاخْتِمِ الْقُرْآنَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَإِذَا كَانَ الصَّيْفُ فَاخْتِمْهُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ. "جب سردیوں میں قرآن کی تکمیل کرو تو رات کے اول حصے میں کیا کرو اور جب گرمیوں میں قرآن کے دور کی تکمیل کرو تو دن کے پہلے حصے میں ختم کیا کرو"۔ (مختصر قیام اللیل وقیام رمضان) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہ معلوم ہوا تھا کہ دن یا رات کے اول حصے میں تکمیل کرنے سے پورے دن فرشتوں کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تفصیل بتا دی کہ چونکہ سردیوں کی رات بڑی ہوتی ہے اس لیے رات کے اول حصے میں تکمیل ہوگی تو فرشتوں کی دعائیں زیادہ وقت تک کے لیے حاصل ہوں گی اور گرمیوں میں چونکہ دن بڑے ہیں اس لیے دن کی ابتدا میں ختمِ قرآن ہو جائے تو اس میں فرشتوں کی دعا زیادہ عرصہ ملتی رہے گی۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نیکی اور ثواب کے معاملے میں کتنے حریص اور باریک بین تھے کہ ذرہ برابر کوتاہی نہ کرتے تھے، آج ہمارے ہاں بھی بالکل ایسا ہی ہے لیکن افسوس دین کے بجائے دنیا کے معاملے میں!

روزے کا اہتمام

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ التبیان تحریر فرماتے ہیں: "ختمِ قرآن کے دن روزے کا اہتمام مستحب ہے الا یہ کہ ختمِ قرآن کسی ایسے دن پیش آرہا ہو جس دن کا روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہو، صحیح طور پر ثابت ہے کہ طلحہ بن مصرف، مسیب بن رافع، اور حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ختمِ قرآن کے دن روزہ رکھا کرتے تھے"۔ اگرچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قسم کی دلیل نقل نہیں فرمائی لیکن کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح رمضان ہی میں

قرآن کا نزول شروع ہوا ہے، اور رمضان ہی کی ایک رات لیلۃ القدر میں قرآن کا نزول سماے دنیا پر ہوا اور جس طرح نبی اکرم ﷺ رمضان میں اس کا دور فرمایا کرتے تھے تو ان باہمی مناسبتوں کی وجہ سے مستحب ہے کہ غیرِ رمضان کے ختمِ قرآن کو روزے کے اہتمام سے رمضان کے مشابہ بنایا جائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جن بزرگوں کے نام لیے ان میں ابنِ رافع رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ روایت امام ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ نے الثقات میں نقل کی ہے: عَن الْمسيب بن رَافع أَنه كَانَ يخْتم الْقُرْآن فِي كل ثَلَاث ثمَّ يصبح الْيَوْم الَّذِي يخْتم فِيهِ صَائِما. ’’مسیب بن رافع ہر تین دن میں ایک قرآن مکمل کیا کرتے تھے اور جس دن قرآن ختم کرتے اس دن روزے سے ہوا کرتے تھے‘‘۔ (الثقات)

ختمِ قرآن پر دعا کا اہتمام

ختمِ قرآن کے موقعے پر دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ التبیان میں رقم فرماتے ہیں: ’’ختمِ قرآن کے بعد دعا کرنا بہت زیادہ تاکید کے ساتھ مستحب ہے‘‘۔ اس لیے کہ یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلَّى صَلَاةَ فَرِيضَةٍ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ». ’’جس نے فرض نماز ادا کی اس کی دعا قبول کی جائے گی اور جس نے قرآن کی تلاوت کی تکمیل کی اس کی دعا بھی قبول کی جائے گی‘‘۔ (طبرانی) ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: كَانَ أَنَسٌ إِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ جَمَعَ وَلَدَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ فَدَعَا لَهُمْ. ’’سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب تلاوتِ قرآن کا دور مکمل کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے ان کے لیے دعا فرمایا کرتے‘‘۔ (دارمی) ابراہیم التیمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ: مَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ. قَالَ: فَكَانَ عَبْدُ اللهِ إِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ جَمَعَ أَهْلَهُ ثُمَّ دَعَا وَأَمَّنُوا عَلَى دُعَائِهِ. ’’عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ جب قرآن ختم کرتے تھے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور دعا کرتے جبکہ گھر والے ان کی دعا پر آمین کہا کرتے تھے اور

آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو شخص قرآن ختم کرے اس کے لیے یہ مقبول دعا کا موقع ہے"۔(فضائل القرآن للقاسم بن سلام) امام بخاری کا معمول نقل ہوا: "آپ رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں افطار کے وقت ختمِ قرآن کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے عند کل الختم، دعوة مستجابة. "ہر ختمِ قرآن کے موقعے پر ایک دعاے مستجاب انسان کو نصیب ہوتی ہے"۔(تاریخِ بغداد، صفة الصفوة) تکمیلِ قرآن کی محفل میں شرکت کرنے کے بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ التبیان میں تحریر کرتے ہیں: "ختمِ قرآن کی مجلس میں شرکت کرنا مستحب اور پسندیدہ ہے اس کے لیے بھی جو پڑھنا جانتا ہے اور اس کے لیے بھی جو اچھی طرح پڑھنا نہیں جانتا"۔ قرآن پاک کی تلاوت اور درس و تدریس کی محافل پر فرشتوں کا حاضر رہنا اور اللہ کی خصوصی رحمت و سکینت کے نزول کی احادیث مشہور و معروف ہیں۔ پس وہ تمام احادیث جن میں مندرجہ بالا امور کا ذکر ہے وہ تکمیلِ قرآن کے موقعے کی برکات پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وہ (صحابہ کرام یا تابعین) ختمِ قرآن کے موقعے پر جمع ہوا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ختمِ قرآن کے موقعے پر اللہ کی خصوصی رحمت کا نزول ہوتا ہے"۔(الاذکار) حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نتائج الافکار میں تحریر کرتے ہیں کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ختمِ قرآن کے موقعے پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے"۔ چنانچہ عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ ختمِ قرآن کے موقعے پر حاضری کو پسند کرتے تھے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: "مدینہ میں ایک قاری تلاوت کیا کرتا تھا، پس عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کسی شاگرد کی ذمے داری لگاتے کہ جب اس کا ختم ہونے لگے تو ہمیں اطلاع کرنا، جب اطلاع ملتی تو فرماتے: "چلو ہمارے ساتھ تاکہ ہم ختمِ قرآن کے موقعے پر حاضر ہو جائیں"۔(فضائل القرآن لابن الضريس الرازي) تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا بھی اس طرح کا عمل رہا ہے چنانچہ حکم بن عُتَیْبَہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف یہ پیغام بھجوایا: "ہمارا ختمِ قرآن کا ارادہ ہے اس لیے آپ کو دعوت دیتے ہیں، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ختمِ قرآن کے موقعے پر دعائیں قبول ہوتی ہیں، پھر آپ اس موقعے پر مختلف دعائیں مانگا کرتے تھے"۔(فضائل القرآن لأبي بكر جعفر الفِرْيابِي) ایک دوسری

روایت میں حکَم فرماتے ہیں: ”حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور عبدۃ بن لبابہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جب ختم کا ارادہ کرتے تھے، ہمیں بلا بھیجتے اور کہتے ہمارے پاس آؤ کہ ختمِ قرآن کے موقعے پر رحمت کا نزول ہوتا ہے“۔(تفسیر قرطبی)

ارتحال

ارتحال کا لفظی معنی عازم سفر ہونا ہے۔لیکن علومِ قرآن کی اصطلاح میں ارتحال سے مراد یہ ہے کہ تلاوت کا ایک دور مکمل کرتے ہی اگلا دور شروع کر لیا جائے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تکمیلِ قرآن کے بعد فوری طور اگلے دورِ تلاوت کی ابتدا کرنا چاہیے، علماے سلف اسی کو پسند کرتے تھے اور وہ اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «خَيْرُ الأعْمالِ الحَلُّ وَالرِّحْلَةُ». سفر سے واپس آتے ہی روانہ ہو جانا بہترین اعمال میں سے ہے، پوچھا گیا: یا رسول اللہ! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: «افْتِتاحُ القرآنِ وخَتْمُه». ”قرآن کے دور کی ابتدا کرنا اور اس کی تکمیل کرنا“۔(التبیان) سیدنا عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے سوال کیا: یا رسول اللہ !کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَلَيْكَ بِالْحَالِّ الْمُرْتَحِلِ». ”تم حال و مرتحل کا عمل اختیار کرو“، اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ !حال و مرتحل سے کیا مراد ہے فرمایا: «صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَضْرِبُ فِي أَوَّلِهِ حَتَّى يَبْلُغَ آخِرَهُ،وَيَضْرِبُ فِي آخِرِهِ حَتَّى يَبْلُغَ أَوَّلَهُ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ». ”قرآن کی تلاوت کرنے والا، جو اولِ قرآن سے تلاوت کرتا ہے، یہاں تک کہ آخر تک جا پہنچتا ہے اور آخر سے دوبارہ ابتدا پر آجاتا ہے اور جب بھی سفر (یعنی تلاوت) کی تکمیل کرتا ہے دوبارہ ابتدا کر دیتا ہے“۔(معجم الکبیر) سیدنا ابی ابنِ کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل نقل فرمایا ہے: أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا قَرَأَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ افْتَتَحَ مِنَ الْحَمْدِ ثُمَّ قَرَأَ مِنَ الْبَقَرَةِ

إِلَى: ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾، ثُمَّ دَعَا بِدُعَاءِ الْخَتْمَةِ. ”جب رسول اللہ ﷺ سورہ الناس کی تلاوت فرما لیتے تو سورۂ فاتحہ سے دوبارہ ابتدا فرما دیتے اور پھر سورۃ البقرۃ کی تلاوت کرتے یہاں تک کہ ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ پر پہنچ جاتے اس کے بعد ختمِ قرآن کی دعا فرماتے“۔(جامع البيان في القراءات السبع، أبو عمرو الداني)

درود شریف کا اہتمام

امام ابنِ قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب جلاء الأفهام في فضل الصلاة على محمد خير الأنام میں ختمِ قرآن کے موقعے کی دعا کا تفصیل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”جب یہ دعا کا تاکیدی موقع ہے اور اس موقعے کی دعا کے مقبول ہونے کی بھی امید دلائی گئی ہے تو پس یہ درود پاک کے لیے بھی ایک عمدہ موقع ہے“۔اللهم صل على محمد! پس ختمِ قرآن کے موقعے پر بارگاہِ نبوی میں درود و سلام کا ہدیہ بھی ضرور پیش کرنا چاہیے اور یہ ایک طرح سے آپ ﷺ کی جناب میں شکر گزاری بھی ہے کہ آپ ہی کے واسطے سے ہمیں یہ قرآن پاک عطا ہوا۔

دعا کا مضمون

اس موقعے پر تمام جائز دعائیں مانگی جا سکتی ہیں۔ اس حوالے سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے: ”الحاح اور آہ و زاری سے دعا کی جائے، جامع قسم کی دعائیں مانگی جائیں اور دعا کا ایک بڑا حصہ آخرت کے بارے میں ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان عوام کی اصلاح اور فلاح و سلامتی نیز حکمرانوں کے لیے بھی نیکی و طاعات، اور اقامت حق کی توفیق کی دعائیں کی جائیں۔

*****

رمضان المبارک: برکات و فضائل، احکام و مسائل

اَلْحَمْدُلله رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ. وَعَلَی آلِہ وَأَصْحَابِہ أَجْمَعِیْنَ

تعریف

روزے کو عربی میں صیام، یا صوم کہتے ہیں، اس کے معنی روکنے یا رکنے کے ہیں۔ اور اصطلاحِ شریعت میں صبحِ صادق سے غروب تک کھانے، پینے اور جنسی عمل سے اپنے آپ کو روکے رکھنے کا نام روزہ ہے۔

فرضیت

رمضان شریف کا روزہ اسلام کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے، جس طرح نماز و زکوٰۃ کی فرضیت کا منکِر مسلمان نہیں رہتا۔ اسی طرح روزے کی فرضیت سے انکار کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور اس کو ترک کرنے والا گناہِ کبیرہ کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ ہاں شرعی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی البتہ اجازت ہے ! قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے: ”اے ایمان والو ! تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ (اس کے ذریعے) تم میں تقویٰ پیدا ہو“۔ (بقرۃ:۱۸۳) مزید ارشاد فرمایا: ”جو تم میں سے اس ماہ (رمضان) کو پائے اس پر لازم ہے کہ اس مہینے کے روزے رکھے“۔ (بقرۃ:۱۸۵)

فضائل

حدیثِ مبارک میں ارشاد ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ایمان رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی نیت سے جس نے روزہ رکھا اس کے گزشتہ زمانے کے سب گناہ معاف کردیے جائیں گے“۔ (بخاری و مسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کا ہر (نیک) عمل کئی گنا بڑھایا جاتا ہے۔ دس گنا تو ہوتا ہی ہے جبکہ سات

سو گنا تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ کچھ اور ہی ہے، وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (خاص) اجر دوں گا کیونکہ اس نے اپنا کھانا پینا اور خواہشات نفسانی کو محض میری خوشنودی کے لیے ترک کیا ہے"۔ (بخاری و مسلم) بعض روایات میں لفظ أَجْزِيْ کی جگہ أُجْزَیٰ روایت کیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزا ہوں"۔ بندوں کی عبادات میں سے روزہ ہی ایسی عبادت ہے کہ روزے دار کے خود کہے بغیر بجز اللہ تعالیٰ کے، کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ روزے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اتنے عظیم اجر والی عبادت کے لیے صحت و توانائی عطا فرما کر اس کو بجالانے کی توفیق اور موقع عنایت فرمایا ہے تو اس کی بجا آوری سے گریز بدبختی نہیں ہوگی تو کیا ہوگی! اسے پورے ذوق و شوق اور پورے آداب کے ساتھ بجالانا چاہیے اور بغیر شرعی عذر ہرگز ہرگز ترک نہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اگر کوئی شخص عذر کے بغیر ایک روزہ بھی ترک کر دے اور پھر پوری زندگی روزے رکھتا رہے تب بھی اس ایک روزے کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ (ترمذی) اوپر گزر چکا ہے کہ روزے کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے، تو روزے دار کو چاہیے کہ وہ روزے میں ہر برائی اور چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی بچے، جھوٹ، غیبت، دنگا فساد، گالم گلوچ تو بڑے گناہ شمار ہوتے ہیں۔ ہنسی مذاق اور بے کار باتوں تک سے بھی بچنا چاہیے، کوئی خواہ مخواہ آمادۂ پیکار ہو تو اسے بھی نرمی سے یہ کہہ کر کہ بھائی میں روزے دار ہوں، پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔ روزے دار کا سونا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے، بے فائدہ مجلس آرائی کے بجائے سو جانا بہتر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "صبح سے شام تک روزے دار کا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شمار ہوتا ہے تاآنکہ وہ کسی کی غیبت نہ کرے۔ اگر وہ غیبت کر بیٹھتا ہے تو پھر روزے میں شگاف پڑ جاتا ہے"۔ (دیلمی) روزہ رکھنے کے اجر و ثواب کا بیان آپ نے پڑھ لیا۔ یہ بھی سن لیجیے کہ کسی کا روزہ افطار کرانے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اس کا بھی بہت اجر و ثواب ملتا ہے، رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کسی کا روزہ افطار کرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائے گا جہنم کے عذاب سے اسے بچائے گا اور روزے دار کے اجر کے برابر ثواب عطا فرمائے گا، جبکہ روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی، یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سب کے پاس اتنا کچھ کہاں ہے کہ ہم

کسی کا روزہ افطار کرائیں یا اسے کھانا کھلائیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صرف ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی یا دودھ سے بھی افطار کرانے کا یہی اجر وثواب ہے"۔ (ابنِ خزیمہ)

روزے کی اقسام

روزے کی چھے اقسام ہیں: فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہ۔

فرض روزے

پورے رمضان کے روزے فرض ہیں! ان کی فرضیت کا منکر خارجِ اسلام ہے۔ بغیر شرعی عذر ان کو ترک کرنے والا فاسق اور سخت گنہگار ہے۔ ان روزوں کی قضا بھی فرض ہے۔ گویا غیر متعیّن ہے کہ جب موقع ہو رکھ لے، مگر بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد رکھ لے۔ لگاتار رکھے یا دو دو، چار چار کر کے رکھ لے۔

واجب روزے

کفارے کے روزے واجب ہیں۔ مگر وہ ساٹھ روزے متواتر رکھنے پڑیں گے، ایک بھی ان میں سے ناغہ ہو گیا تو پھر از سرِ نو رکھنے ہوں گے۔ یہ بھی غیر معین ہیں مگر جلد رکھ لے تو اچھا ہے، نذر کے روزے بھی واجب ہیں، نذر کے وقت کوئی ماہ یا دن متعیّن کیا ہو تو متعیّن دن میں رکھنا واجب ہو گا ورنہ حسبِ موقع رکھ لے مگر جلد۔

سنت روزے

مسنون روزے وہ ہیں جو حضور ﷺ نے عموماً رکھے یا مسلمانوں کو جن کی ترغیب دلائی۔ مگر یہ سنتِ مؤکدہ نہیں کہ جن کے ترک سے گناہ ہو ہاں ان کے رکھنے کا اجر و ثواب بہت ہے۔ مسنون روزے یہ ہیں: محرم کی نو اور دس تاریخ کے، یومِ عرفہ (نو ذو الحجہ) کا اور ایام بیض ہر ماہِ قمری کی تیرہ، چودہ، پندرہ کے روزے (حجاجِ کرام میدانِ عرفات میں عرفہ کا روزہ نہ رکھیں)۔

مستحب روزے

فرض، واجب اور مسنون روزوں کے علاوہ باقی روزے مستحب یا نفل ہیں، جیسے عید الفطر کے بعد چھ روزے۔ (یہ لگاتار رکھ لے یا ایک ایک کر کے مختلف دنوں میں مگر شوال کے مہینے کے اندر پورے کر لے۔ ان روزوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ رمضان کے روزوں کے بعد کسی نے یہ چھ روزے بھی رکھ لیے تو گویا اس نے سارے سال کے روزے رکھ لیے)۔ ہر پیر اور جمعرات کے روزے، یکم تا آٹھ ذوالحجہ کے روزے، شعبان کی پندرھویں کا روزہ۔

حرام روزے

عید الفطر کے دن اور دس تا تیرہ ذوالحجہ! اِن پانچ دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزبانی کے ایام ہیں۔

مکروہ روزے

مکروہ روزوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ صرف سنیچر یا اتوار کا روزہ رکھنا، (ایک رائے کے مطابق) صرف دس محرم کا روزہ، شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا نفلی روزہ۔ اور صومِ وصال یعنی روزے پر روزہ درمیان میں بغیر افطار رکھنا۔ جو روزے نہ حضور ﷺ نے خود رکھے نہ ان کی ترغیب دلائی مثلاً رجب وغیرہ کے، وہ بدعت ہیں۔

روزے کے وجوب وصحت کی شرائط: فرائض وسنن، مفسِدات و مکروہات

روزے کے وجوب وصحت کی چار شرائط ہیں: اسلام، بلوغ، رمضان کے روزے کی فرضیت کا علم اور معذور نہ ہونا۔ کافر اور نابالغ بچے پر روزہ فرض نہیں! اور اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ رمضان کا روزہ فرض ہے مثلاً تازہ نومسلم وغیرہ تو علم ہونے تک اس پر بھی روزہ فرض نہیں۔ جسے کوئی ایسا عذر ہو جسے شریعت نے معتبر

مان کر اسے روزہ نہ رکھنے کی کی اجازت دی ہو، مثلاً سفر، مرض، بڑھاپا اور جہاد۔ ان پر بھی رمضان میں روزہ رکھنا واجب نہیں ہو گا۔ جب یہ عذر جاتا رہے تو وہ ان روزوں کی قضا کریں۔

روزہ صحیح ہونے کی شرائط

روزہ صحیح ہونے کی تین شرائط ہیں: اسلام، مستورات کے ایامِ مخصوصہ کا نہ ہونا اور نیت کرنا۔ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں اور اگر کسی کے دل میں بھی روزہ رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو خواہ دن بھر وہ بھوکا پیاسا رہے اس کا روزہ نہیں ہو گا۔

روزے کے فرائض سنن و مستحبات

صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے بچنا روزے کے فرائض ہیں! سحری ضرور کھانا خواہ دو چار لقمے، کوئی پھل یا پھر چند دانے کھجور اور چند گھونٹ پانی یا چائے وغیرہ پینا ہی ہو سنت ہے۔ صبحِ صادق سے دس پندرہ منٹ قبل سحری کھانا مستحب ہے۔ اگر سحری جلدی کھالی اور آخر وقت میں پانی یا چائے وغیرہ پی لی تو بھی دیر سے سحری کھانے کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ روزے کی نیت رات کو کرنا مستحب ہے۔ رات کو نیت کا خیال نہ رہا تو صبح نصف النہار سے پہلے پہلے نیت کر لے، ورنہ روزہ نہیں ہو گا۔ افطار میں جلدی کرنا بھی مستحب ہے، مگر اتنی جلدی بھی نہ کرے کہ سورج کے پوری طرح غروب ہونے سے پہلے ہی افطار کر لے۔ کھجور یا چھوہارے یا پانی سے افطار مستحب ہے۔

مفسداتِ صوم

روزے کے فرائض میں سے کسی فرض کی خلاف ورزی روزے کو فاسد کر دیتی ہے۔ پھر فساد دو طرح کا ہوتا ہے: ایک میں تو صرف قضا واجب ہوتی ہے اور دوسرے میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم آتا ہے۔ روزے کی نیت کر کے اگر کسی نے قصداً اور روزہ یاد ہوتے ہوئے کچھ کھا لیا یا پی لیا یا جنسی عمل کر لیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہو گئے۔ غذا کے علاوہ دوا کا بھی یہی حکم ہے۔ واضح رہے کہ کفارہ؛ رمضان کے ادا روزے کے توڑنے سے لازم آتا ہے۔ لیکن اگر اس روزے کی نیت رات نہ کی ہو اور روزہ توڑنے کے بعد

اسی دن ایسا مرض لاحق ہوجائے جس میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے یا عورت کے ایامِ مخصوصہ جاری ہوجائیں تو اس روزے کے توڑنے کا کفارہ نہیں ہوگا۔ اگر بھولے سے کچھ کھاپی لیا اور یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا دوبارہ قصداً کچھ کھایا تو اب روزہ ٹوٹ گیا قضا لازم ہے، کفارہ نہیں۔ اسی طرح کسی کو قے ہوئی اور یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر کچھ کھالیا تب بھی صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ اگر سرمہ لگا کر یا حجامہ کرواکر یہ سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور پھر قصداً کھاپی لیا تو اب قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ رمضان میں اتفاقاً روزہ ٹوٹ جانے کے بعد بقیہ دن بھی روزے کی طرح رہنا چاہیے، کچھ کھانا پینا جائز نہیں۔ جن لوگوں کے روزے میں شرائط وجوب نہ پائی جائیں جیسے مسافر، بچہ یا حیض و نفاس والی مستورات کا روزہ فاسد ہوجائے تو ان پر بھی صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ منہ سے نکلنے والے خون کو تھوک کے ساتھ نگل لیا تو وہ اگر اتنا ہے کہ حلق میں اس کا ذائقہ محسوس ہوا تو روزہ ٹوٹ گیا ورنہ نہیں۔ روزے میں ناک میں ناس لی، کان میں تیل ڈالا، یا جلاب میں عمل لیا تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔ قصداً اگر قے کی تو اگر وہ منہ بھر کر ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ منہ میں آئی ہوئی قے کو اپنے ارادے سے واپس لوٹا دیا تو وہ اگر تھوڑی بھی ہے تب بھی روزہ ٹوٹ گیا۔ یہ سمجھ کر کہ ابھی وقت ہے سحری کھالی، بعد میں معلوم ہوا کہ وقت نکل چکا تھا۔ اسی طرح افطار یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہوچکا ہے کر لیا اور سورج در حقیقت غروب نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں روزے کی قضا واجب ہے۔ بے ارادہ، کلی کا پانی، ناک کان میں ڈالی گئی دوا یا پیٹ و سر کے زخم میں ڈالی گئی دوا، معدے یا دماغ میں پہنچ جائے تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی۔ (انجکشن کی دوا معدے و دماغ میں نہیں پہنچتی اس لیے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا)۔ زبردستی کرکے، یا ڈرا دھمکا کر کسی نے کھلا پلا دیا تو روزہ تو ٹوٹ گیا مگر صرف قضا واجب ہوگی۔ بے نیت کا روزہ، یا نصف النہار کے بعد نیت کے روزے کی قضا واجب ہے۔ روزے میں پسینہ یا آنسو منہ میں چلے گئے جس کی نمکینی محسوس ہوئی، ان کو اگر نگل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا، صرف قضا واجب ہوگی۔ منہ میں پان، یا چیونگم وغیرہ دبا کر سوجائے اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلے تو اس کا بھی روزہ نہیں ہوگا قضا واجب ہے۔ کنکر پتھر، لوہے کا ٹکڑا یا اور کوئی ایسی چیز جو نہ بطور غذا کھائی جاتی ہو، نہ بطور دوا، کوئی

نگل لے تو اس کا بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، صرف قضا واجب ہوگی۔ دانتوں میں اٹکی ہوئی غذا وغیرہ کا ٹکڑا نکال کر منھ سے نکالے بغیر نگل گیا تو اگر وہ چنے جتنا یا اس سے موٹا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ ہاں اگر منھ سے نکال کر پھر کھا لیا تو وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، صرف قضا واجب ہے، کفارہ نہیں۔ گرد وغبار یا دھونی، سگریٹ وغیرہ کا دھواں قصداً حلق کے اندر داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، صرف قضا واجب ہے۔

مکروہاتِ صوم

ذائقے کے لیے کسی چیز کا چکھنا مکروہ ہے۔ بشرط یہ کہ ذائقہ حلق سے نیچے نہ اترے، البتہ سخت گیر اور بد مزاج شوہر کی بیوی، یا کسی کا نوکر ایسا کرے تو مکروہ نہیں۔ بلا ضرورت ومجبوری کوئی چیز چبانا بھی مکروہ ہے، ہاں بچے کی کوئی ایسی غذا جو وہ چبائے بغیر نہ کھا سکے تو اس کی اجازت ہے۔ روزے میں ایسا کام مکروہ ہے جس سے اتنی کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جس کی وجہ سے روزہ توڑنا پڑ جائے۔ کلی میں غرارہ کرنا یا ناک میں اوپر تک پانی چڑھانا بھی مکروہ ہے۔ منھ میں بلا وجہ تھوک جمع کرنا بھی مکروہ ہے۔ موقع ہوتے ہوئے بھی بلا وجہ صبحِ صادق کے بعد تک جنابت کی حالت میں رہنا (یعنی غسل میں تاخیر کرنا) روزے کو مکروہ کرنا ہے۔ منجن، پیسٹ یا کوئلہ چبا کر دانت مانجھنا۔ ان کا کوئی جزو حلق سے اتر جائے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ مکروہ ہوگا۔ بک بک جھک جھک، ہنگامہ، شور وغل، مار پیٹ، ناحق ستانا، جھوٹ، غیبت، ناشائستہ گفتگو وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو عام دنوں میں بھی انتہائی ناپسندیدہ ہیں اس لیے روزے کی حالت میں ان کی کراہت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔

وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

بھول کر کھانے پینے وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ ایک دفعہ ہو یا کئی مرتبہ۔ کوئی آدمی ایسے روزے دار کو کھاتا پیتا دیکھے، جو اس قدر کمزور ہو کہ روزہ بمشکل برداشت کر رہا ہے تو اسے یاد نہ لائے، کھانے دے، ہاں صحت مند طاقتور شخص ایسا کر رہا ہو تو اسے یاد دلانا واجب ہے۔ روزے کی حالت میں سرمہ لگانا، تیل وخوشبو ملنا اور سونگھنا بالکل جائز ہے۔ حتیٰ کہ سرمے کی سیاہی تھوک یا ناک کی ریزش میں نظر آجائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ سوتے میں غسل کی حاجت ہو جائے تب بھی روزے میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ بلا قصد وارادہ حلق

میں مکھی، گرد وغبار اور دھواں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ غیر دخانی اشیا و خوشبوجات سونگھنے میں کوئی نقصان نہیں۔ تھوک تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پان کھا کر خوب کلی اور غرغرہ کر لے، اس کے باوجود تھوک میں سرخی آئے تو کوئی حرج نہیں۔ منھ کی رال ناک کی ریزش سڑکنے سے حلق کے نیچے اتر جائے تو بھی روزہ باقی رہتا ہے۔ بلا قصد وارادہ قے آجائے تو وہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور تھوڑی سی قے ارادے وقصد سے ہو تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تھوک کے ساتھ اتنا خون ہو جس کا ذائقہ محسوس نہ ہو تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مسواک خشک ہو یا تازہ حتی کہ نیم کی مسواک کی کڑواہٹ حلق میں محسوس ہو تو بھی مسواک کرنے سے روزے میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ کان میں ارادے سے یا بلا ارادہ پانی جائے تو بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ گرمی کی شدت سے بار بار وضو وغسل کے عمل سے یا کپڑا اتر کر کے بدن پر ڈالے رکھنے سے روزے میں کوئی نقصان نہیں آتا۔

نیت کے مسائل

نیت دراصل دل کے ارادے کا نام ہے، زبان سے اظہار ضروری نہیں۔ روزے میں سحری کھانا بھی نیت ہی ہے۔ ہاں جن کا اسلام سحری کی حد تک ہو ان کے لیے نیت بھی ضروری ہے۔ رمضان کے ہر روزے کی نیت الگ الگ کی جائے، پورے ماہ کی اجتماعی نیت کافی نہیں۔ رمضان کے ادا روزوں کی نیت میں فرض کا لفظ ضروری نہیں، ہاں جن پر رمضان کے روزے فرض نہیں جیسے مریض، وہ نیت کرے تو فرض کا لفظ بھی کہے۔ رمضان کے قضا روزوں میں متعیّن طور پر فرض کی نیت ضروری ہے۔ رات کو اگر نیت کرنا بھول جائے تو: رمضان کے ادا روزوں میں، نذر کے ان روزوں میں جن کے دن یا تاریخ متعیّن کی ہو اور نفلی روزوں میں نصف النہار (ظہر کی نماز سے دو گھنٹے قبل) سے پہلے پہلے کسی وقت بھی نیت کر لے ورنہ یہ روزے نہ ہوں گے۔ چار قسم کے روزوں میں صبحِ صادق سے پہلے پہلے نیت ضروری ہے، اس کے بعد نیت صحیح نہیں ہوگی: رمضان کے قضا روزے، کفارے کے روزے، ایسی نذر کے روزے جن کا دن یا تاریخ معین نہ ہو اور ایسے نفلی روزوں کی قضا جو شروع کر کے توڑ دیے گئے ہوں۔ رمضان میں کسی بھی نفلی یا دوسرے

واجب روزے کی نیت کرے تب بھی وہ رمضان ہی کا روزہ شمار ہوگا۔ رمضان میں کوئی اور روزہ صحیح ہی نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیت کے بعد روزے کے خلاف کوئی عمل نہ کرنا چاہیے جبکہ روزے کا وقت صبحِ صادق سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے پہلے کھانا پینا سب درست ہے خواہ اس نے نیت رات کسی بھی وقت کرلی ہو۔ نفل روزہ وقت پر نیت کرنے سے واجب ہوجاتا ہے۔ پھر اگر اسے توڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہوجاتی ہے۔ ہاں نیت کے وقت کے اندر ہی پہلی نیت بدل دی اور روزہ نہ رکھا تو اس کی قضا واجب نہیں۔ نیت کے الفاظ ادا کرنا چاہے اور رات کو نیت کرے تو یوں کہے: بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ. اور دن میں نیت کرے تو کہے: نَوَيْتُ بِصَوْمِ الْيَوْمَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ. نیت میں عربی الفاظ ہی ضروری نہیں کسی بھی زبان میں کہہ لے۔

وہ عذر جن میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے

وہ معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے دس ہیں:

سفر

سفر کی غرض خواہ کچھ ہو اور اس میں ہر طرح کا آرام اور سہولتیں ہوں یا مشقت و تکلیف، مسافر کو بہر حال یہ اجازت ہے کہ وہ چاہے تو روزہ نہ رکھے۔ ہاں راحت و آرام کے سفر میں مستحب ہے کہ روزہ رکھ لے کہ رمضان کی برکت اور فضیلت سے محرومی نہ ہو، البتہ تکلیف و مشقت کے سفر میں روزہ نہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ روزے کی نیت یا روزہ شروع ہونے کے بعد سفر پر روانگی ہو تو وہ روزہ پورا کرنا ضروری ہے لیکن کوئی روزہ توڑ دے تو کفارہ لازم نہ ہوگا۔ مسافر اگر نصف النہار سے پہلے کہیں مقیم ہوجائے اور اس دوران کوئی ایسی بات نہ ہوئی ہو جس سے روزہ فاسد ہوتا ہے تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ روزہ رکھ لے، لیکن اس نے اگر روزہ توڑ دیا تو اس پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔ دورانِ سفر کہیں قیام کرلیا گو وہ پندرہ دن سے کم ہو تو بہتر یہی ہے وہ روزہ رکھ لے، ایسے وقت روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ کرلیا تو اب اس کے لیے روزہ نہ

رکھنا جائز نہیں۔

بیماری

روزہ رکھنے سے کسی بیماری کے پیدا ہونے کا خطرہ ہو یا یہ خیال ہو کہ دوا یا غذا نہ ملنے کے سبب بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں صحت ہوگی تو ان باتوں کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی نیک اور ماہر مسلمان طبیب نے ایسی ہدایات یا مشورہ دیا ہو، یا اس کا اپنا بار بار کا تجربہ ہو، محض وہم و خیال کی بنا پر جائز نہیں۔ اگر خود اس کا وہم و گمان ہو کہ شاید روزے سے بیماری پیدا ہو جائے یا موجود مرض بڑھ جائے۔ اس کے لیے نہ طبیب کی کوئی ہدایت ہے اور نہ ہی اس کا اپنا کوئی تجربہ ہے۔ ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنے سے گنہگار ہوگا اور رکھا ہوا روزہ توڑ دیا تو کفارہ بھی لازم ہوگا۔ کسی بے دین اور شرعی امور کی قدر و منزلت کا احساس نہ رکھنے والے حکیم و ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرنا بھی درست نہیں۔

حمل

روزہ رکھنے سے حاملہ یا بچے کو نقصان پہنچنے کا گمان غالب ہو تو ایسی عورت کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ روزہ رکھ لینے کے بعد خاتون کو حمل کا علم ہوا اور یہاں بھی گمان غالب یہ ہے کہ روزہ پورا کرنا حمل کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ تو وہ روزہ توڑ سکتی ہے، اس کی قضا پھر کر لے، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

رضاعت

ماں کو یہ اندیشہ ہو کہ دودھ پلانے کے زمانے میں روزہ بچے کے لیے یا خود اس کے لیے شدید نقصان کا باعث ہوگا۔ تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ اتنی استطاعت ہے کہ دودھ پلائی کا انتظام کیا جا سکتا ہے اور بچہ دوسرے کا دودھ پی بھی لے گا تو پھر روزہ چھوڑنا درست نہیں، ہاں بچہ دوسری کسی خاتون کا دودھ پیتا ہی نہ ہو تو پھر روزہ ترک کرنا جائز ہے۔ اگر ماں کے اپنے دودھ نہیں ہے یا بچے کو ڈبے کے دودھ پر لگا رکھا ہے تو پھر روزہ چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ اجرت پر دودھ پلانے والی خاتون کو بھی اپنے یا بچے کے نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ بھی روزہ ترک کر سکتی ہے۔

بھوک پیاس کی شدت

بھوک پیاس کی شدت کی برداشت نہ ہو اور حالت ایسی ہو جاتی ہو کہ جان جانے کا یا عقل میں فتور آنے کا اندیشہ ہو تو اسے بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

بڑھاپا اور ضعف

بیماری سے آرام آنے کے بعد کمزوری اتنی ہے کہ روزہ رکھنے سے دوبارہ بیمار پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسے شخص کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر بڑھاپے کی وجہ سے کوئی شخص اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی تو اسے بھی اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

ہلاکت کا خوف

اگر کسی محنت و مشقت کی وجہ سے جان جانے کا اندیشہ ہو یا کسی ظالم کے دباؤ اور قبضے میں ہو اور اس نے روزہ رکھنے پر مار ڈالنے یا ہاتھ پاؤں توڑ دینے کی دھمکی دی ہو تو بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

جہاد

جہاد کے لیے کسی ایسی تیاری میں مشغول ہو جس میں روزے کی وجہ سے کمزوری آسکتی ہو تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جہاد عملاً جاری ہو یا جلد ہی تصادم کا اندیشہ ہو تب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ روزہ رکھنے کے بعد جہاد شروع ہو جائے تو روزہ توڑنے کی اجازت ہے، صرف قضا کرنی ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

بے ہوشی

اگر کسی پر متواتر کئی دن بے ہوشی طاری رہے، تو ظاہر ہے اس سے ممنوعاتِ روزہ کا ارتکاب تو نہیں ہوگا۔ مگر یہ ایام اس کے روزوں میں شمار نہیں ہوں گے۔ جتنے دن بے ہوشی رہی ہے ان کی قضا واجب ہوگی۔

جنون

پاگل پن کے دورے کی وجہ سے ظاہر ہے وہ روزہ نہیں رکھ سکے گا۔ اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ جنون مسلسل ہے، درمیان میں افاقے کا کوئی وقفہ نہیں، ایسی صورت میں روزے بالکل معاف ہیں۔ نہ قضا واجب ہے نہ فدیہ۔ دوسری صورت یہ کہ جنون کی مدت میں وقفے وقفے سے افاقہ بھی ہوتا رہا تو پھر ان ایام کے روزوں کی قضا واجب ہوگی۔

وہ عذر جن کی وجہ سے روزہ توڑنا جائز ہے

اچانک شدید قسم کا کوئی دورہ پڑ گیا یا ایسی شدید اور جان لیوا بیماری لاحق ہوگئی، یا موٹر وغیرہ کا حادثہ پیش آگیا یا اوپر سے گر پڑا اور ان کے سبب جان کے لالے پڑ گئے تو اسے روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔ اچانک کسی بیماری کا حملہ ہوا، جان جانے کا خطرہ تو نہیں البتہ روزہ نہ توڑنے کے سبب بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے تب بھی روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔ شدید بھوک پیاس کی وجہ سے جان پر بن گئی اور اندیشہ ہے کہ نہ کھایا پیا تو مر جائے گا، اسے بھی روزہ توڑنا جائز ہے۔ کسی حاملہ کو ایسا حادثہ پیش آگیا کہ روزہ نہ کھولا تو ماں یا بچے کی جان جاتی رہے گی تو اس وقت بھی روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔ سانپ یا کسی زہریلے جانور کے کاٹنے کی وجہ سے فوراً دوا وغیرہ استعمال کرانا ضروری ہو تو روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔ نقاہت اور کمزوری کے باوصف روزہ رکھ لیا اور پھر دن میں محسوس ہوا کہ روزہ نہ کھولا تو جان پر بن جائے گی یا کسی مرض کا شدید حملہ ہو جائے گا تو اسے روزہ کھولنے کی اجازت ہے۔ (روزہ نہ رکھنے اور توڑنے کی اجازت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے روزوں کی قضا یا فدیہ، جیسی صورت ہو دینا ہوگا۔ روزے معاف نہیں ہوں گے۔ البتہ ان کا کفارہ واجب نہیں ہوگا)۔

سحری و اِفطار

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نزدیک سحری کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ آپ کے ارشاداتِ ذیل سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے: ”سحری کھا لیا کرو کہ یہ بہت مبارک کھانا ہے“۔ ”سحری کا کھانا سراپا برکت ہے، سحری کھانا کبھی ترک نہ کرو،

خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی پیو۔ اس لیے سحری کھانے والوں پر اللہ رحمت فرماتا اور فرشتے ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں"۔ (الترغیب) سحری کھانا حضور ﷺ کی سنت ہے اور یہود و نصاریٰ کے روزوں کا فرق بھی ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے تھے، اس لیے اگر بھوک نہ ہو تب بھی ایک آدھ لقمہ، چائے کا ایک کپ یا پانی کے دو چار گھونٹ یا کوئی پھل وغیرہ ہی کھا لینا چاہیے۔ سحری میں تاخیر مستحب و پسندیدہ ہے۔ کسی نے سحری جلدی کھالی اور پھر چائے پان کا شغل کرتا رہے تو بھی تاخیر کا اجر ملے گا۔ مگر اتنی بھی تاخیر نہ ہو کہ صبحِ صادق ہوجائے۔ افطار میں حضور ﷺ کو عجلت پسند تھی، آپ کا ارشاد مبارک ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ وہ بندہ پسند ہے جو افطار میں جلدی کرے"۔ (ترمذی) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے اچھے حالوں میں رہیں گے"۔ (بخاری و مسلم) تین باتیں پیغمبرانہ اخلاق کی ہیں: سحری تاخیر سے کھانا، افطار جلد کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب سورج غروب ہوجائے فوراً افطار کرلے، غیر ضروری احتیاط کے سبب تاخیر پسندیدہ فعل نہیں، ابر والے دن احتیاط کرلے۔ افطار کے وقت کی دعا ازروے حدیث مقبول ہے، اس لیے جو دل چاہے دعا کرے۔ حضور ﷺ بوقت افطار یہ فرماتے تھے: «اللَهُمَّ لك صُمْتُ، وعلى رِزْقِكَ أفْطَرْتُ». "اے اللہ میں نے روزہ تیری رضا کے لیے رکھا اور (اب) تیرے رزق سے افطار کیا"۔ (ابوداود) «ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ، وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ». "پیاس بجھ گئی، رگیں سیراب ہوئیں اور ان شاءاللہ ثواب ملے گا"۔ (ابوداود)

روزوں کی قضا

رمضان میں جو روزے چھوٹ گئے ہوں ان کی قضا جتنا جلد ہوسکے رکھ لے۔ ان روزوں کا مسلسل رکھنا اور عذر ختم ہونے کے فوراً بعد ہی رکھنا ضروری تو نہیں، موقع سے ایک ایک دو دو کرکے بھی رکھ سکتا ہے لیکن زندگی کا کیا بھروسا، اس لیے بہتر ہے کہ جلد ان سے فارغ ہوجائے۔ روزے کی قضا میں ترتیب ضروری نہیں۔ مثلاً کچھ قضا روزے باقی تھے کہ رمضان آگیا تو اب ادا روزے رکھے، قضا رمضان گزرنے کے بعد

رکھے۔ قضا روزوں کے لیے دن تاریخ کا حوالہ بھی ضروری نہیں بلکہ جتنے قضا ہوئے اتنے ہی رکھے، البتہ اگر دو تین سال کے قضا ہوں تو یہ تعین ضروری ہے کہ کون سے سال کے رکھ رہا ہے، اس کا ذکر نیت میں ضروری ہے۔ قضا روزے کی نیت صبح صادق سے پہلے کرنی ضروری ہے۔ صبح صادق کے بعد نیت کی تو وہ روزہ نفلی ہو گا۔ قضا ذمہ رہے گا۔ جن عذروں کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت تھی مثلاً سفر، بیماری وغیرہ، اگر ان کے دوران یا ان کے ختم ہونے کے فوراً بعد انتقال ہو جائے اور اسے قضا رکھنے کی مہلت ہی نہ ملی تو ان روزوں کی قضا واجب نہیں، وہ عنداللہ معاف ہیں۔ ہاں جتنے دن کی مہلت ملی تو اتنے دن کے روزوں کی قضا واجب ہے (ان کے فدیے کی وصیت کر جائے)۔

کفارے کے مسائل

روزوں کا کفارہ ساٹھ دن کے متواتر روزے رکھنا ہے۔ ایک رمضان کے کئی روزے توڑ دیے ہوں تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہو گا۔ کفارے کے روزوں میں ایک دن کا ناغہ بھی ہو جائے تو از سرِ نو پھر سے ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے۔ حیض کا اس تواتر میں استثنا جائز ہے (یعنی ساٹھ روزے مکمل ہونے سے قبل ہی حیض کے ایام شروع ہو گئے تو حیض کے انقطاع پر وہیں سے تعداد شمار ہو گی جہاں حیض سے قبل رکی تھی، از سر نو تعداد شروع نہیں ہو گی) بشرط یہ کہ حیض سے پاک ہونے کے فوراً بعد دوسرے دن سے روزے شروع کر دے، ایک دو دن کا وقفہ ہو گیا تو نئے سرے سے ساٹھ رکھنے ہوں گے۔ درمیان میں اگر رمضان آجائے، یا بیماری لاحق ہو جائے یا عورت کو نِفاس آجائے۔ تو بھی تواتر ختم ہو جائے گا اور نئے سرے سے ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے۔ اگر کہیں صحیح قسم کے غلام پائے جاتے ہوں تو کفارے میں ایک غلام آزاد کرنے سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ اگر کسی میں ساٹھ روزے رکھنے کی ہمت نہ ہو (غلام بھی میسر نہ آئے) تو ساٹھ مسکینوں فقیروں، کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے، ان میں بچے شمار نہیں ہوں گے، مرد عورت جو ہوں پوری عمر کے ہوں۔ ایک مسکین کو ساٹھ دن کھلانا بھی جائز ہے، اس میں تسلسل اور تواتر شرط نہیں۔ گندم کی روٹی کے ساتھ تو سالن ضروری نہیں، کسی اور اناج کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن بھی دے۔ کھانا کھلانے کے بجائے

کچا اناج یا اس کی قیمت دینا بھی جائز ہے، فی روزہ فی مسکین دو کلو گندم (احتیاطًا) یا ان کی قیمت بھی دینا جائز ہے، اگر دو کلو سے کم گندم یا کم قیمت دی تو کفارہ صحیح نہیں ہو گا۔ ساٹھ آدمیوں کا اناج یا اس کی قیمت ایک مسکین کو یکمشت دینا یا ایک دن میں ساٹھ مرتبہ کر کے دینا جائز نہیں۔ اس سے کفارہ ادا نہیں ہو گا۔ یا تو ساٹھ محتاجوں کو دے، اگر ایک ہی کو دینا ہے تو ساٹھ دن دے، اور ہر دن پورا اناج یا اس کی قیمت دے، نہ کم دے نہ زیادہ۔ پانچ آدمیوں کو بارہ دن یا دس آدمیوں کو چھے دن کھلانا، یا اناج یا اس کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

فدیے کے مسائل

کوئی اتنا ضعیف اور بوڑھا ہے کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، یا ایسا اور اتنا بیمار ہے کہ اچھا ہونے کی امید نہیں تو وہ روزہ نہ رکھے اور ایک روزے کے بدلے ایک محتاج کو صبح و شام پیٹ بھر کھانا کھلا دے۔ یا صدقے، فطرے کے برابر غلہ (دو کلو گندم) یا اس کی قیمت دے دے۔ شرعًا یہ فدیہ کہلاتا ہے۔ فدیے کی گندم کئی محتاجوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ فدیہ ادا کرنے کے بعد اگر طاقت آگئی یا بیمار اچھا ہو گیا تو اب روزے رکھنے پڑیں گے۔ فدیے کا الگ ثواب ملے گا۔ اپنی زندگی میں اگر فدیہ نہ دے سکے تو اس کی وصیت کر جائے، مرحوم کے ترکے میں سے تجہیز و تکفین اور قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اس کے تہائی حصے میں سے یہ فدیہ ادا کیا جائے گا۔ اگر فدیہ زیادہ ہو اور تہائی مال کم ہو تو اس کے وارث اجازت دیں تو اس کے مال سے دے دیا جائے، وارثوں میں اگر کوئی نابالغ ہو تو اس کی اجازت کا اعتبار نہ ہو گا۔ روزے کے بدلے کوئی وارث روزہ نہیں رکھ سکتا، یہی نماز کا بھی حکم ہے۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو وارث اپنی طرف سے فدیہ دے سکتے ہیں۔

نمازِ تراویح

تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ چار رکعت کے بعد وقفۂ استراحت کو ترویحہ کہتے ہیں۔ اس نماز کی بیس رکعتوں میں چار ترویحے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس مسنون نماز کو تراویح کہنے لگے یعنی وقفۂ استراحت والی نماز۔ نمازِ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے خود نبی کریم ﷺ نے بھی اس کا اہتمام فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری

جماعت نے اہتمام کے ساتھ پابندی فرمائی۔ اب اگر بغیر عذر کوئی اسے ترک کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔ نمازِ تراویح روزے کے تابع نہیں، یہ مستقبل عبادت ہے اس لیے یہ سمجھنا غلط ہے کہ تراویح روزے دار ہی کے لیے ضروری ہے۔ کسی وجہ سے کوئی روزہ نہ رکھ سکے اسے بھی تراویح پڑھنا ضروری ہے۔ جس رات رمضان کا چاند نظر آئے اسی رات سے تراویح شروع ہوجاتی ہے اور جس رات عید کا چاند دکھائی دے تراویح ختم ہوجاتی ہے۔ تراویح کا وقت عشا کی نماز کے بعد ہے۔ عشا سے پہلے کوئی تراویح پڑھ لے تو تراویح نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر کسی وجہ سے عشا کی نماز دہرانی پڑے تو تراویح بھی دہرانی ہوگی۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بنفسِ نفیس چند روز تراویح با جماعت پڑھائی۔ پھر ازراہِ شفقت و رحمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے گھروں پر پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا میں اس اندیشے کی بنا پر یہ سلسلہ جاری نہیں رکھنا چاہتا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہوجائے جس کی تم ہمیشہ پابندی نہ کرسکو۔ (مسلم) چونکہ تئیس، پچیس، ستائیس رمضان کو خود آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے تراویح باجماعت پڑھائی تھی اس لیے آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں تراویح با جماعت پڑھ لیا کرتے تھے تا آنکہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ اس کی جماعت قائم فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بخوشی اسے قبول فرمایا اور بعد میں بھی کسی خلیفہ راشد نے اس سنت کی مخالفت نہیں فرمائی، اسی لیے علماے امت نے تراویح کی جماعت کو سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ فرمایا ہے۔ تراویح کی بیس رکعتیں اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، تینوں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اس اجماع کی پیروی فرمائی۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم بھی بیس ہی رکعات کے قائل ہیں۔ ایک قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی کے موافق ہے، امام ابوداؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو سنتِ ثابتہ فرمایا (ویسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چھتیس رکعت کے قائل ہیں)۔ یہ بیس رکعت دو دو رکعت کی نیت سے پڑھی جائیں اور ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں یہ چار رکعت پڑھی گئیں۔ وتر کی نماز بھی صرف رمضان میں جماعت سے پڑھنا ثابت ہے اور مہینوں میں وتر با جماعت جائز نہیں۔ ویسے تو رمضان المبارک میں ایک بار ترتیب کے ساتھ پورا قرآن مجید ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا اہتمام

فرماتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تراویح کی باجماعت نماز میں پورا قرآن سنانے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ وتر کی نماز تراویح کے بعد افضل ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی نے کچھ تراویح یا ساری تراویح سے قبل وتر پڑھ لیے تو جائز ہے۔ اگر کوئی عشا کی نماز کے بعد آئے تو پہلے عشا کے فرض پڑھے، پھر تراویح میں شریک ہو، چھوٹی ہوئی تراویح وقفۂ استراحت میں پڑھے یا وتر کے بعد۔ فرض اور وتر ایک امام پڑھائے اور تراویح دوسرا امام یہ جائز ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرض و وتر پڑھاتے تھے اور تراویح کی امامت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ کسی وجہ سے تراویح کی رکعت دہرانی پڑے تو اس میں پڑھا جانے والا قرآنی حصہ بھی لوٹایا جائے۔ ختمِ قرآن کا یہ مسنون ادب ہے کہ جب قرآن ختم ہو تو فوراً ہی دوسرا شروع کر دیا جائے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ جب ایک بار قرآن ختم ہو تو دوسرا فوراً شروع کر کے ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ تک پہنچا کر چھوڑ دیا جائے۔ لہٰذا حفاظِ کرام کو چاہیے کہ انیسویں رکعت سورۃ الناس پر ختم کریں، بیسویں میں الحمد کے بعد ﴿الم﴾ سے ﴿هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ تک پڑھ کر رکعت ختم کریں۔ عشا کی نماز اگر کسی نے باجماعت نہ پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے۔

اعتکاف کا بیان

شریعت میں اعتکاف کا مطلب ہے کہ آدمی دنیاوی تعلقات و مصروفیات اور اہلِ خانہ سے الگ مسجد میں قیام کرے، مساجد چونکہ اللہ کے گھر ہیں اس لیے معتکف ایک طرح اللہ تعالیٰ کا پڑوسی اور اس کے گھر میں مہمان ہے اور مقصد یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ اللہ کی معیت میں اپنے شب و روز بسر کرے، تاکہ معیت مع اللہ کا ملکہ اس میں راسخ ہو۔ بہتر تو یہ ہے کہ مسجد ایسی ہو جس میں جمعہ و جماعت کا انتظام و اہتمام ہو، ویسے جائز ہر مسجد میں ہے۔ خانہ کعبہ کا اعتکاف (یعنی مسجد الحرام میں) سب سے افضل ہے، اس کے بعد مسجدِ نبوی کا، پھر بیت المقدس کا، اس کے بعد ایسی مسجد کا جس میں جمعہ و جماعت کا نظم ہو، پھر اس مسجد کا جس میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو۔ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: واجب: یہ نذر کا اعتکاف کا ہے۔ مستحب: رمضان کے

عشرۂ اخیرہ کے علاوہ کا اعتکاف خواہ رمضان میں ہو یا کسی اور ماہ میں۔ سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ: یہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ حضور ﷺ بڑے اہتمام سے ہر سال یہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال ناغہ ہوا تو دوسرے سال آپ نے بیس روز کا اعتکاف فرمایا ہے۔ وصال تک آپ کا یہی معمول رہا۔ سنت علی الکفایہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی بستی، محلے یا شہر میں اگر کچھ افراد بھی اس عشرے کا اعتکاف کر لیں تو باقی آبادی کے لیے یہ کافی ہوگا ورنہ سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ اعتکاف مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مستورات اپنے گھر کے ایک گوشے میں معتکف ہوں اور مرد مساجد میں۔

شرائطِ اعتکاف

اعتکاف کی چار شرطیں ہیں: مسجد (مردوں کے لیے)، نیت، حدثِ اکبر (حالتِ غسل وحیض ونفاس) سے پاکی اور روزہ۔ نذر کا اعتکاف غیر رمضان میں بھی ہو سکتا ہے، اس لیے روزہ اس کے لیے شرط ہے۔ یہ اعتکاف کم از کم ایک روز کے لیے ہوتا ہے، زیادہ کے لیے کوئی قید نہیں۔ اس لیے وہ روزہ نہ رکھنے کی نیت کر لے تو وہ نیت معتبر نہیں روزہ رکھنا ہی ہوگا۔ مستحب اعتکاف کے لیے کوئی مدت نہیں چند گھنٹوں بلکہ چند منٹوں کا بھی ہو سکتا ہے، اس کے لیے روزہ شرط بھی نہیں۔ سنتِ مؤکدہ اعتکاف تو ہوتا ہی رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا ہے اس لیے اس کے لیے بھی روزہ (نہ رکھنے) کا کیا سوال؟ اعتکافِ واجب اگر فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ مستحب و مسنون اعتکاف کی قضا واجب نہیں۔ اعتکاف مسنون کا وقت بیس رمضان کو غروب آفتاب سے شروع ہو کر عید کا چاند نظر آنے پر ختم ہو جاتا ہے، رمضان چاہے انتیس کا ہو یا تیس کا۔ اس لیے غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے مردوں کو مسجد میں داخل ہونا چاہیے اور عورتوں کو گھر کے اس گوشے میں بیٹھ جانا چاہیے جہاں اعتکاف کرنا ہے۔ اعتکافِ مستحب کا نہ کوئی مہینا مقرر ہے نہ وقت، وہ جب بھی مسجد میں آئے یہ نیت کر لے کہ میں جب تک مسجد میں ہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔ اعتکافِ واجب کے لیے چونکہ روزہ شرط ہے اس لیے اس کی کم سے کم مدت ایک دن ہے، چند گھنٹوں کے اعتکاف کی منت ماننا بے

معنی بات ہے۔

اعتکاف میں جائز امور

قضائے حاجت اور غسل فرض کا انتظام مسجد میں نہ ہو تو ایسی جگہ جاسکتا ہے جو جائے اعتکاف سے قریب تر ہو، اگر کوئی ایسی جگہ نہ ہو تو پھر اپنے گھر جاسکتا ہے، مسجد میں انتظام ہو تو پھر باہر جانا جائز نہیں مگر جس ضرورت سے گیا ہے وہ پوری کر کے فوراً آجائے۔ ضروریات سے متعلق گفتگو کے علاوہ کوئی گفتگو نہ کرے۔ کھانے کے لیے بھی باہر جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی لانے والا نہ ہو ورنہ کھانا بھی مسجد میں کھائے۔ ایسی مسجد میں معتکف ہے جہاں نہ جمعہ ہوتا ہے نہ جماعت تو نماز جمعہ اور پنج وقت نماز کے لیے باہر جاسکتا ہے۔ شرعی (نمازِ جمعہ وغیرہ) یا طبعی ضرورت کے لیے باہر نکلا، اس دوران کسی مریض کی عیادت یا نماز جنازہ میں شریک ہوگیا تو کوئی حرج نہیں۔ جاے اعتکاف سے جبراً کوئی باہر نکال دے یا باہر روک لے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ کہیں آگ لگ جائے، کوئی کنویں میں گر رہا ہو یا کوئی کسی کو قتل کر رہا ہو اور اس کے سوا کوئی بچانے یا امداد کرنے والا موجود نہ ہو تو جاے اعتکاف سے اس کا نکلنا جائز ہی نہیں ضروری ہوجاتا ہے مگر اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اعتکاف کے وقت کسی جنازے میں جانے کی نیت کر لی تھی تو جانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ دورانِ اعتکاف ذکر، اوراد و ظائف، تسبیح و تہلیل میں مشغولی، تلاوت قرآن، درود شریف، دینی کتب کا مطالعہ، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، غور و تدبر یہ سب باتیں مستحب ہیں۔ بوقتِ ضرورت دینی یا طبی مشورہ لینا دینا، سونا، آرام کرنا جائز ہیں۔

اعتکاف میں ناجائز امور

دنیاوی امور میں مشغولی، فضول ولایعنی باتیں، جنسی دل لگی، یا گم صم بیٹھے رہنا، مسجد میں خرید وفروخت، سوداگری، لڑائی جھگڑا، بحثا بحثی، غیبت، دوسروں کی دل آزاری وغیرہ مکروہِ تحریمی ہیں۔ شرعی و طبعی ضروریات کے بغیر اعتکاف سے باہر نکلنا یا ضرورت سے باہر نکلنا مگر بلا ضرورت باہر ہی ٹھہر جانا جائز نہیں، اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

لیلۃ القدر

یہ رمضان المبارک کی اتنی فضیلت و برکت کی رات ہے کہ اس میں عبادت کرنے والے کو ایک ہزار مہینوں میں عبادت کرنے سے بھی زیادہ اجر و ثواب عطا ہوتا ہے۔ آیتِ لیلۃ القدر کے نزول کے سلسلے میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا تذکرہ فرمایا جس نے اللہ کے لیے ایک ہزار مہینے جہاد میں بسر کیے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ واقعہ سن کر حسرت پیدا ہوئی کہ ہم بھلا اتنی عظیم نعمت کس طرح حاصل کر سکتے ہیں تو اللہ عالیٰ نے ان کی تسکینِ خاطر کے لیے آیتِ قدر نازل فرمائی کہ تم اگر لیلۃ القدر میں عبادت کر لو تو ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ اجر و ثواب کی نعمت حاصل کر سکتے ہو۔ علما نے لکھا ہے کہ اس ایک رات کو اتنی قدر، عظمت اور فضیلت اس لیے بخشی گئی کہ اس میں قرآن مجید کا نزول ہوا۔ جب قرآن کریم کے نزول کے باعث ایک رات اتنی عظیم القدر ہو گئی تو اندازہ کیجیے خود قرآن کریم کتنی عظمتوں برکتوں اور فضیلتوں والی کتاب ہو گی۔ اس رات میں انجام پانے والے کچھ امور کی جھلکیاں قرآن کریم کی ان دو آیات میں نظر آتی ہیں، ارشاد ہے: ''اس رات میں ہمارے ہاں سے طے شدہ تمام معاملات کے نا قابلِ تبدیل فیصلے نافذ کیے جاتے ہیں''۔ (دخان: ۴،۵) ''اس رات میں جبرئیل علیہ السلام اپنے (کارگزار) فرشتوں کو لے کر اپنے رب کی اجازت سے اس کے جملہ امور کی انجام دہی کے لیے نزول کرتے ہیں۔ (قدر: ۴) (گویا اس رات میں فیصلے کیے بھی جاتے ہیں اور ان کا نفاذ بھی اسی رات ہوتا ہے)۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللعالمینی چاہتی تھی کہ اس عظیم الشان رات کی تعیین اپنے محبوب جاں نثاروں پر واشگاف فرمادیں مگر مصلحتِ ربانی نہ تھی، اس لیے زبان تک آئی بات فراموش ہو گئی، تاہم اتنی اجازت مل گئی کہ اس کا کچھ اتا پتا بتا دو، چنانچہ بروایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد ہوا: ''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو''۔ (بخاری) معاملہ صرف پانچ راتوں کا رہ گیا تھا کہ اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس اور انتیس کو جاگ لو، تین سو ساٹھ راتوں کو بے شک سوئے رہنا، انہی پانچ راتوں میں سے قدر والی رات ہاتھ آجائے گی اور ہزار مہینوں کی راتوں جتنا خزانہ دامن میں بھر لو گے، مگر غالباً آپ پر یہ بھی منکشف کر دیا گیا تھا

کہ ایسے محروم القسمت بھی آپ کی امت میں موجود ہوں گے جن پر ایک رات کی بیداری بھی شاق گزرے گی اور کوئی جاگے گا بھی تو اس کی دلچسپیاں اس رات کی فضیلت و نعمت کے حصول کی بجائے اس سے محرومی کے لیے ہوں گی، تب ہی غالباً آپ نے یہ ارشاد فرمایا: ”لوگو! تم پر ایک مہینا آیا ہے جس میں ایک ایسی رات ہے جو فضیلت میں ایک ہزار مہینوں پر بھاری ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا وہ خیرِ مکمل سے محروم رہ گیا، اور اس شب کی خیر وبرکت سے وہی محروم رہتا ہے جو واقعی محروم (ازلی) ہے“۔ (ابنِ ماجہ)

دعاے خاص

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے کسی طرح لیلۃ القدر کا پتہ چل جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے تو فرمائیے میں اپنے اللہ سے کیا دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا ورد رکھو: «اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي». ”میرے مولا! تو بہت ہی معاف کرنے والا اور بڑا ہی کریم ہے، تجھے معاف کرنا پسند بھی بہت ہے بس تو مجھے بھی معاف فرمادے“۔ (ترمذی) اللہ کے بہت سے نیک بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی، کسی کو کبھی؛ کسی کو کبھی، ان کی روایات میں مختلف تاریخیں ملتی ہیں مگر کثرت سے ستائیسویں شب کا ذکر آتا ہے۔

عید الفطر

عید الفطر رمضان المبارک کی عبادات کے انعام دیے جانے کا دن ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے روزے دار مومن بندوں کی میزبانی کا دن ہے۔ اس لیے اس دن کا روزہ حرام کر دیا گیا ہے، آج خوشیاں مناؤ کہ خیر وعافیت کے ساتھ روزوں کی تکمیل سے فراغت پائی۔ انعاماتِ ربانی کی اس دن بھی فراوانی ہوتی ہے، انھی انعامات کی شکر گزاری کے لیے دوگانہ واجب کیا گیا۔ اسی کے ساتھ ایک مالی ذمے داری بھی بجا لانے کا حکم ہے جسے مسلمان صدقۂ فطر کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آج کی خوشیوں میں اس کے خاک بسر بندے بھی برابر کے شریک رہیں۔ اس لیے ہر کھاتے پیتے فرد کے ذمے لگادیا

گیا ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال حتیٰ کہ عید کی صبحِ صادق سے پہلے اس عالمِ آب وگِل میں جس نے آنکھ کھولی ہے اس کی طرف سے بھی فطرہ ادا کرو۔

فطرے کے مسائل

صدقۂ فطر ہر اس شخص پر واجب ہے جسے عرفِ عام میں کھاتا پیتا کہا جاتا ہے، جس پر گو زکوٰۃ فرض نہ بھی ہو مگر اسبابِ ضروری کے علاوہ اس کے پاس اتنی مالیت کا مال واسباب ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس پر صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے، چاہے وہ مال تجارتی ہو یا غیر تجارتی اس پر سال گزرا ہو یا نہ۔ جس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں، سب پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے۔ نابالغ بچوں کا صدقۂ فطر باپ پر واجب ہے اور اگر وہ مالدار ہوں تو ان کے مال سے دے، بالغ اولاد میں سے کوئی پاگل ہو تو اس کی طرف سے بھی باپ کو دینا چاہیے۔ بہتر تو یہ ہے کہ صدقۂ فطر عید کی نماز سے پہلے دے دیا جائے، رمضان میں اگر کسی نے دے دیا تو بھی ادا ہو گیا۔ عید کے دن بھی کسی نے فطرہ نہ دیا تو کسی اور دن دے دے، عید گزرنے سے فطرہ معاف نہیں ہوتا۔ جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے فطرے کے بھی وہی مستحق ہیں۔ البتہ فطرہ کافر محتاج کو بھی دیا جا سکتا ہے، زکوٰۃ کافر کو نہیں دی جا سکتی۔ فطرے میں گندم، گندم کا آٹا یا ستو دینا ہو تو دو کلو دے۔ جو یا اس کا آٹا دینا ہو تو چار کلو دے، دیگر اناج دینا ہو تو اس میں وزن کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ جتنی قیمت دو کلو گندم یا چار کلو جو کی بنتی ہو اتنی قیمت کا دیگر اناج دے۔ گندم یا جو کے بجائے ان کی قیمت دے دے تو بہتر ہے۔ جو گندم یا آٹا خود گھر میں کھاتا ہے اس کی قیمت دینا بہتر ہے۔ ایک آدمی کا فطرہ ایک فقیر کو یا کئی فقیروں کو دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کئی آدمیوں کا فطرہ بھی ایک محتاج کو دینا جائز ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ. وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ .بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

*****

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے، اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جس طرح سے طوطے مینا کو، کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لیے، تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے، ہاتھوں پہ اُٹھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اِک اِک جلسے میں، پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں، سو بار رُلایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں مجھ کو بار نہیں، کس عُرس میں میری دُھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

ماہرالقادری